ISSN 0974-7346

جولائی ۲۰۲۲ء

جلد ۲۰۹—عدد ۷

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

سالانہ زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۳۵۰؍روپے۔ فی شمارہ ۳۰؍روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۵۵؍روپے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۷۳۰؍روپے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۸۵۰؍روپے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۵۰۰؍روپئے میں دستیاب۔

ہندوستان میں لائف ممبر شپ ۱۵۰۰؍روپے ہے۔

اشتراک پی ڈی ایف بذریعہ ایمیل (ساری دنیا میں) ۳۵۰ روپے سالانہ

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ بند ہے۔

اس لئے فی الحال پاکستان معارف کی ترسیل موقوف ہے۔

سالانہ چندہ کی رقم بینک ٹرانسفر، منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔

بینک ٹرانسفر کر کے ہم کو ضرور اطلاع دیں۔ بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات یہ ہیں:

Account Name: Darul Musannefin Shibli Academy
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No.: 4761005500000051 - IFSC: PUNB0476100

بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں:

Darul Musannefin Shibli Academy, Azamgarh

* زر تعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کر دیا جائے گا۔
* معارف کا زر تعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
* خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
* معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
* کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Office Mobile: 06386324437
Email: info@shibliacademy.org
Website: http://www.shibliacademy.org

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (ڈپٹی ڈائرکٹر) نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۹	ماہ ذوالحجۃ ۱۴۴۳ھ مطابق ماہ جولائی ۲۰۲۲ء	عدد ۷

فہرست مضامین

مرتبہ

ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
محمد عمیر الصدیق ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱
info@shibliacademy.org

شذرات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس وقت ملک عزیز جن حالات سے گزر رہا ہے ان کو حالات سے زیادہ امواج بلاخیز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ایک جانب معاشیات میں تباہ کن زوال ہے، روپے کی قدر ملک کی قدر کی طرح گرتی جارہی ہے، حکومت کے تحت عوامی بہبود کے اداروں کی نج کاری کے نام پر ان کی فروخت نے جس طرح بے روزگاری کا مسئلہ پیدا کردیا ہے اس سے تعلیمی اسناد کی عملی حیثیت محض کاغذ کے ایک پرزے کی رہ گئی ہے۔ گرانی نے بازار کا رشتہ گھروں سے بس برائے نام کررکھا ہے۔ روزافزوں غریب ہوتے اور بے مایہ ہوتے گھروں میں خصوصاً ان کے نوجوانوں میں اشتعال اور غصہ کی عجب نفسیات سرایت کرگئی ہے۔ یہ سب تو بس چند عنوانات ہیں جن کے ذیل میں مستقبل گویا ایک خوفناک عفریت سا نظر آتا ہے۔ ملک کی بربادی پر آنسو بہانے یا کم از کم فکرمند ہونے کے لیے یہ سب کیا کم تھا کہ مسند اقتدار پر قابض جسموں اور ذہنوں نے ملک کی سب سے بڑی اقلیت کو پے درپے زخم پہنچانے اور پھر زخموں پر نمک ہی نہیں مرچ پاشی کا ایسا عمل اختیار کیا ہے جس نے اکثریت کے ایک بڑے طبقے کو اپنا ہی مداوا کرنے سے محروم کردیا ہے۔ وہ تاریخ کی ان قدیم قوموں کے زیادہ قریب ہوگیا ہے جو دوسروں یا آج کی زبان میں اقلیتوں کے بازاروں اور گلیوں میں جمع ہوجاتے ہیں اور اسی منظر کا حصہ بن جاتے ہیں جس کے لیے ہزاروں سال پہلے یحشر الناس ضحیٰ کی تعبیر اپنائی گئی، تاریخ نے تو اپنے حصہ کا کام کردیا کہ جب جب نشہ اقتدار میں عوام کو غلط راہوں پر ڈالا جائے گا تو صدا صرف یہی آئے گی واضل فرعون قومہ وما ھدیٰ (اور فرعون نے تو اپنی قوم کو گمراہ ہی کیا تھا اور وہ سیدھی راہ پر نہ لایا) لیکن انجام سے پہلے جو بے چینی پھیلتی ہے، آج ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت یا دوسری بڑی اکثریت اسی کا شکار ہے۔ اس کا احساس ہمارے سنجیدہ اہل قلم صحافیوں کے قلم کی زبانوں سے ہونے لگا ہے۔ قلم کہنے لگا ہے کہ ملک کی موجودہ صورت حال میں مسلمان خود کو بے بس محسوس کررہا ہے، اس بے بسی میں ملت کی تنظیموں اور جماعتوں کی خاموشی کو ایک بڑے اور مقتدر اخبار کے اداریہ نویس نے مجرمانہ خاموشی سے تعبیر کردیا ہے اور ایک سوال قائم کرتے ہوئے جواب بھی دے دیا کہ یہ خاموشی شاید اس لیے ہے کہ تنظیمیں جن کے ہاتھوں میں ہیں وہ ناز و نعم میں پلے بڑھے ہیں، وہ صعوبتیں جھیلنے سے ڈرتے ہیں۔ یہ خیال ضروری نہیں کہ درست ہو لیکن اس خیال کے پیچھے جو کرب ہے اس کو تو ہمارے ملی نمائندوں کو سمجھنا ہی ہوگا۔

***

آج ملک جن مسائل سے دوچار ہے خصوصاً فرقہ پرستی پر مبنی نفرت و حقارت سے دلوں کے فاصلے بڑھانے کی کوششوں کے بارے میں نصف صدی پہلے معارف نے کہا تھا کہ ہندو اور مسلم اہل قلم تاریخ ہند کے اسلامی دور کے وہ واقعات تلاش اور یکجا کریں جن سے دونوں میں مصالحانہ روح کی ترقی ہو۔ نئے عہد کے لیے جذبات ہوں، تاریخ میں کون فاتح ہوا اور کون مفتوح، ان سوالوں سے پرانے جذبات کو فراموش کر دینا ہی نئے عہد کا تقاضہ ہے۔ مگر اب ایسی باتوں کی سماعت کے لیے تلاش کس کو کیا جائے؟

***

اسی مہینے میں ملک کے وزیر اعظم نے گجرات میں تین ہزار پچاس کروڑ کے ترقیاتی پروجیکٹوں کا افتتاح کیا، ظاہر ہے یہ حکومتوں کے معمولات کا حصہ ہے لیکن بھوپال کے ایک بڑے ہندی اخبار پتریکا میں ایک اشتہار چھپا جس میں کہا گیا کہ پاواگڑھ کے مندر پر پانچ صدیوں بعد اس کے گنبد پر وزیر اعظم نے بھگوا پرچم لہرایا جس کو ''زہریلے'' سلطان محمود بیگڑہ نے ڈھا دیا تھا۔ صفحہ اول کے اس اشتہار کی یہ عبارت کس ضرورت اور کس مقصد کی غمازی کرتی ہے؟ یہ جاننے کی اب واقعی ضرورت نہیں کیوں کہ ملک کے وزیر داخلہ نے تاریخ کی نئی تصویر بنانے پر اس لیے زور دیا کہ ملک کی تاریخ میں صرف مغل حکمرانی ہی کیوں؟ اس کیوں کا جواب تاریخ نے دے رکھا ہے لیکن اس کو جاننے اور ماننے کی نیت تو ہو، اب کون بتائے کہ محمود بیگڑہ کون تھے؟ جو سچے اور غیر جانب دار مورخ ہیں وہ تو یہ کہتے ہیں کہ صرف چودہ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھنے والے اس بادشاہ کو خدا نے وہ تمام بہترین خوبیاں عنایت کی تھیں جو حکمرانی کے لیے لازم ہیں، اس نے گجرات کے لوگوں کی ایسی حوصلہ افزائی کی کہ سارا ملک سرسبزی و شادابی میں باغ بہار نظر آنے لگا۔ دیہات اور قصبے معمور ہو گئے، احمد آباد صنعت و حرفت کا مرکز بن گیا، سورت، بھروچ، مہائم، کھنبات، دیو اور دمن جیسے ساحلی شہر تجارت کی گرم بازاری سے آباد اور پررونق ہو گئے، نہروالہ، بڑودہ، سلطان پور، احمد نگر وغیرہ کی شہریت میں اضافے کیے گئے اور متعدد شہر آباد کیے گئے، محمود بیگڑہ کا یہ دبدبہ تھا کہ سلطان دہلی سکندر شاہ لودھی نے تحفے بھیجے اور یہ لکھ کر بھیجے کہ دہلی کے بادشاہ کا مدار تو گندم اور جو پر ہے اور بادشاہ گجرات کی بنیاد میں مرجان و مروارید شامل ہیں کہ چوراسی بندرگاہیں شاہ گجرات کے تخت کے تحت ہیں۔ یہ ''زہریلا'' محمود بیگڑہ وہ ہے کہ راستہ میں کوئی مجبور اور بے سہارا ملتا تو سواری روک کر پوچھتا کہ پانی کہاں سے لاتے ہو، اگر وہ کہتا کہ دور سے لانا پڑتا ہے تو اس کے لیے کنویں کی تیاری کا حکم دیا جاتا۔ مشہور ہے کہ محمود بیگڑہ کے سامنے اگر کوئی خالی دوکان یا مکان آتا تو وہ وجہ دریافت کرتا اور پھر ویرانی کے اسباب کو دور کرنے کا حکم دیتا۔ اس بادشاہ نے

کپڑوں اور کاغذ کے کارخانوں میں وہ جدتیں کیں کہ ملک کے ہر بازار میں گجرات کی مصنوعات کی مانگ تھی۔اس نے گجرات کو وہ بنادیا کہ بعد میں اورنگ زیب نے گجرات کو ''زیب وزینت ہندوستان'' کے الفاظ سے یاد کیا۔ گجرات کو دارالخیرات کیوں کہا گیا؟کاش موجودہ حکمراں جو خود بھی گجرات ہی سے تعلق ظاہر کرتے ہیں،اس راز کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ مرأۃ سکندری ہو یا مرأۃ احمدی یا شاہ ابو تراب ولی کی تاریخ گجرات ہو، یہ سب تو قدیم تاریخیں ہیں۔ یہ کانگریس کے زمانہ کے بائیں بازو کے مورخین کی تصانیف نہیں ہیں۔ کیا یہ سب اسی طرح جھوٹ کے پلندوں میں شامل کیے جاسکتے ہیں جیسے بعض وہ داستانیں جن کو مذہبی ساحروں نے آسمانی بنادیا، اصل بات وہی ہے جو بھرتری ہری سے منسوب ہے کہ ہیرے کا جگر بھی پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے مگر کلام نرم و نازک ان کے لیے نہیں جو اس کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ ہندوستان کے جتنے بھی منصف مزاج ذہن ہیں یہ ان کے سوچنے کی بات ہے کہ کلام نرم و نازک اگر اثر نہ کرے تو پھر متبادل کیا ہے؟

***

افسوس کہ سات جون کو پروفیسر اقبال مجددی کا لاہور میں قریب ستر سال کی عمر میں انتقال ہو گیا، ہندوستان کے اعلیٰ علمی حلقوں میں وہ محتاج تعارف نہیں تھے۔ ڈاکٹر اجمل ایوب اصلاحی نے بتایا کہ وہ ادیب، مورخ، کتاب شناس اور کتاب دوست تھے، کتابوں کے عاشق تھے، ان کو جمع کرنا گویا ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ خود بھی چالیس کتابوں سے زیادہ کے مصنف و مؤلف تھے۔ جو جمع کیا وہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے حوالے کردیا، یہ خزانہ معمولی نہیں دس ہزار مطبوعات اور چار سو پچیس مخطوطات اس میں شامل ہیں۔ اس شمارے میں ڈاکٹر عارف نوشاہی کے قلم سے ان پر ایک خاکہ شامل اشاعت ہے۔ دوسری خبر بھی اردو کے حق میں اچھی نہیں یعنی پروفیسر گوپی چند نارنگ امریکا میں ایک طویل بیماری کے بعد انتقال کرگئے۔ گوپی چند نارنگ کی سب سے بڑی خوبی اردو سے ان کا عشق تھا، اسی عشق نے اردو میں ان کو لسانیات اور تنقید کی گویا امامت عطا کردی۔ ترقی پسندوں کے بعد جدیدیت کے سمندر میں جو لہریں اٹھیں ان میں سب سے نمایاں لہر نارنگ صاحب کی تھی۔ ادب میں نظریاتی مسلکوں کی سرپرستی ان ہی کی تھی، کئی نظریے ان کے شاگردوں کی بدولت زبانوں پر عام ہوئے۔ خود ان کی زبان بھی بڑی خوبصورت تھی، کسی نے صحیح کہا تھا کہ لوگ بولتے ہیں تو پھول جھڑتے ہیں، نارنگ صاحب بولتے ہیں تو پھل بھی جھڑنے لگتے ہیں۔ اب اردو میں ایسی قدآور شخصیتوں کا فقدان تکلیف دہ ہوتا جاتا ہے۔

مقالات

اسلام میں انسان کے بنیادی حقوق

ڈاکٹر نصرت فاطمہ وڈاکٹر سیف اللہ

اسوسییٹ پروفیسرز، شعبہ اردو، گورنمنٹ آرٹ کالج، کوٹہ، راجستھان
muftiseraj@gmail.com

دین اسلام اللہ تعالی کا پسندیدہ دین ہے، جس کی مکمل پیروی کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ یہ دین انسانی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو کے لئے رہنما اصول فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ عقائد، معاملات، عبادات اور اخلاق کی طرح حقوق وفرائض بھی واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ معاشرے میں زندگی گزارنے والے تمام افراد خواہ وہ والدین ہوں یا اولاد، بوڑھے ہوں یا بچے، مرد ہوں یا عورت، امیر ہوں یا غریب، حاکم ہوں یا محکوم، اسلام نے ان سب کے حقوق وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ یہاں صرف انسان کے وہ بنیادی حقوق جن کا تعلق انسان کی ذاتی اور انفرادی زندگی سے ہے، ان کا بیان مقصود ہے۔

اسلام کے عطا کردہ بنیادی حقوق

جینے کا حق

سب سے پہلا حق زندہ رہنے کا حق ہے۔ اسلام نے انسانی جان کو انتہائی محترم قرار دیا ہے اور ہر نفس کو جینے کا حق دیا ہے۔ خواہ وہ کسی طبقہ، قوم، ملک سے تعلق رکھتا ہو۔ کسی ذات برادری کا ہو، چنانچہ بغیر شرعی جواز کے کسی کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوْا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل:۳۳)

قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔

انسانی جان کی اتنی اہمیت ہے کہ قرآن مجید نے کسی ایک شخص کو قتل کرنا پوری نوع انسانی کو قتل کرنے کے مترادف بتایا ہے۔ فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا (المائدہ:۳۲)

جس نے کسی ایک جان کو خود کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔

کسی مومن انسان کی ناحق جان لینا اللہ تعالی کے نزدیک اتنا سنگین اور قبیح جرم ہے کہ اس کا مرتکب دنیا میں قصاص کی سزا پانے کے بعد مر کر جہنم رسید ہوتا ہے اور اللہ تعالی کے غضب اور لعنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (النساء:۹۳)

اور رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ،اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔

حفاظت جان کا حق

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی خود اپنی جان بچانے اور دوسروں کی جان بچانے کی ممکن حد تک پوری کوشش کرے۔ حفاظت جان کی غیر معمولی اہمیت ہے ، اللہ تعالی فرماتا ہے : وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَاالنَّاسَ جَمِيْعاً (المائدہ: ۳۲)(اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخش دی)۔

جان کی حفاظت کرنے اور اسے موت سے بچانے کی کئی شکلیں ہیں۔ اگر کوئی آدمی بھوک سے بے حال ہے اور اندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی جان جا سکتی ہے تو جاننے والے اور دیکھنے والے کا فرض ہے کہ اس کو کھلائے تا کہ اس کی جان محفوظ ہو جائے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کسی قوم، رنگ اور نسل کا ہے۔ اگر کوئی شخص ڈوب رہا ہے، یا زخمی ہے یا کسی مہلک مرض کا شکار ہے تو لوگوں پر فرض ہے کہ اس کی جان بچانے کی حتی المقدور کوشش کریں۔

ملکیت کا حق

انسان جائز طریقے سے جو مال و دولت ، املاک و جائداد بناتا ہے اسے اس میں تصرف کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے مفادات کے تحت اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کی خاطر انہیں استعمال کر سکتا ہے۔ اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ مزید نفع کمانے کے لئے اپنے کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ ان کی حفاظت کے لئے موجود وسائل و ذرائع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کسی شخص کو یا کسی حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کی ملکیت پر دست اندازی کرے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:۱۸۸)

اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کچھ حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔

اگر کوئی زبردستی کسی کی ملکیت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مالک کو اسلام نے پورا حق دیا ہے کہ وہ اس کی حفاظت کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا سکتا ہے۔ اس صورت میں وہ شہید کے درجہ میں ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: من قتل دون مالہ فھو شہید[1] (جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے)۔

عزت آبرو کا حق

ہر شخص کا ایک بنیادی حق یہ بھی ہے کہ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے جان و مال کے ساتھ حرمت عزت کا بھی حکم دیا ہے۔ سورۂ حجرات میں اس حق کی پوری تفصیل مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (سورہ الحجرات:۱۱، ۱۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے جو لوگ اس روش سے باز نہیں آئیں وہ ظالم ہیں۔ اے لوگو

---

[1]۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب من قاتل دون مالہ، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الدلیل علی من قصد اخذ مال غیرہ بغیر حق۔

جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا تم خود اس سے گھن کھاتے ہو اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔

ان آیات میں جتنی شکلیں بھی انسان کی تذلیل و تحقیر کی اور اس کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے کی ہو سکتی تھیں ان سے منع فرمادیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر شخص محترم ہے، خواہ وہ سماج کے کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو۔ کسی کو حق نہیں کہ اس کی ہنسی اڑائے، برا بھلا کہے، پیٹھ پیچھے برائی کرے، بہتان لگائے، اپنے سے کم تر اور حقیر سمجھے، یا اس کی تذلیل اور اہانت کرے۔

اسلام کے نزدیک یوں تو ہر شخص کی عزت و آبرو محفوظ ہے لیکن خاص طور سے عورتوں کی عزت و ناموس کی پاسداری کی تاکید کی گئی ہے اور ان پر بہتان لگانے والوں کے لئے سخت سزا متعین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (النور: ۲۳)

جو لوگ پاک دامن، بے خبر، مومن عورتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

قرآن مجید لوگوں کی عزت و آبرو کو کتنا محترم سمجھتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کسی مرد یا عورت پر زنا کا بے بنیاد الزام لگانے کی سزا اسّی کوڑے مقرر کی گئی ہے اور ایسا کرنے والوں کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَـقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسّی کوڑے مارو اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔

نجی معاملات میں رازداری اور پردہ داری کا حق

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی جائے اور ان کی ٹوہ میں

لگا جائے۔ سورہ حجرات میں فرمایا گیا: وَلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات:۱۲) (اور تجسس نہ کرو)۔
آدمی تجسس کے ذریعہ دوسروں کے عیب تلاش کرتا ہے اور پھر جو عیب اور کمزوریاں اس کے علم میں آتی ہیں انہیں غیر ذمہ داری سے دوسروں سے بیان کرتا ہے تاکہ متعلق شخص کی بدنامی اور رسوائی ہو، قرآن مجید نے اس طرح کے تجسس کو بھی سختی سے منع کیا ہے۔ اس معاملہ کا قرآن مجید اس قدر لحاظ کرتا ہے کہ بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے یا باہر سے تاک جھانک کرنے سے بھی سختی سے منع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۔ (النور: ۲۷)
اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔

اظہار رائے کا حق

انسان کے بنیادی حق میں سے اظہار رائے کا حق بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی بھلائی کی خاطر خلوص نیت اور نیک جذبہ کے تحت اپنے خیالات کا اظہار کیا جائے۔ قرآن مجید بھلائی پھیلانے کے لئے اظہار رائے کا صرف حق ہی نہیں دیتا بلکہ اسے مسلمانوں کا ایک فرض قرار دیتا ہے، چنانچہ اس نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے: يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبہ:۷۱) (بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)۔
اسلامی حکومت کا مقصد وجود ہی یہ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (الحج:۴۱)
یہ وہ لوگ جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔

اس کے بالمقابل منافقین کی صفت یہ بیان کی ہے: يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ (التوبہ: ٦٧) (برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں)۔
تاریخ میں اظہار رائے کی مثالیں عہد نبوی ﷺ سے لے کر مسلمانوں کی تاریخ کے ہر دور میں ملتی ہیں۔

صرف ایک مثال بیان کی جاتی ہے:

غزوۂ بدر میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ فلاں فلاں مقام پر قیام کریں اور پڑاؤ ڈالیں۔ حضرت حباب بن منذر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے؟ یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں ہے، حضرت حباب نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بے کار کر دیے جائیں۔ آپ ﷺ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اس پر عمل کیا گیا[۲]۔

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین لوگوں سے رائے لیتے اور اظہار رائے کے لئے حوصلہ افزائی فرماتے، تاریخ کے اوراق میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔

عقیدہ اور مذہب کے انتخاب کا حق

لوگوں کو عقل و شعور کی صلاحیت عطا کر کے اللہ تعالی نے انہیں اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید سے جس عقیدہ اور مذہب کو اختیار کریں۔

ان پر کسی طرح کا کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ:۲۵۶)

دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے، صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اللہ تعالی نے انبیائے کرام کو مبعوث کر کے اور انہیں اپنی کتاب عطا کر کے حق کو باطل سے جدا کر دیا۔ اب جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے اس پر کسی طرح کی کوئی زور زبردستی نہیں، اللہ تعالی نبی ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف: ۲۹)

صاف کہہ دو یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔

دوسری جگہ آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا:

---

[۲]۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، دارالمصنّفین، جلد اول، طبع چہارم، ص ۲۱۸۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس:۹۹)

اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن وفرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔

تعلیم کا حق

علم کا حصول ہر شخص کا بنیادی حق ہے۔ اسلام میں ذات پات کی بنیاد پر تحصیل علم کا دائرہ محدود نہیں ہے، ہر شخص کے لئے خواہ اس کا تعلق اونچے طبقے سے ہو یا نیچے طبقے سے علم حاصل کرنا اس کا حق ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ پہلی وحی کا نزول علم حاصل کرنے کے بارے میں ہوا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ۔خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ۔(العلق:۱-۵)

پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی، پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

قرآن مجید نے تحصیل علم کی ترغیب انتہائی دل نشیں انداز میں دی ہے۔ فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (زمر :۹)

ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے قبول کرتے ہیں۔

احادیث میں علم حاصل کرنے اور دوسروں کو علم سکھانے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان اللہ وملائکتہ واھل السموت والارضیین حتی النملۃ فی حجرھا وحتی الحوت لیصلون علی معلم الناس الخیر[۳]۔

---

[۳]۔ جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ

بے شک اللہ اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں
اور مچھلی سمندر میں لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں۔

مذہبی دل آزاری سے تحفظ کا حق

آزادی اعتقاد اور آزادی ضمیر کی طرح اسلام نے لوگوں کو یہ حق بھی دیا ہے کہ ان کی مذہبی دل آزاری نہ کی جائے۔ دوسرے مذاہب کے راہنماؤں اور پیشواؤں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ ان کے معبووں کو گالی دینے سے قرآن مجید منع کرتا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام: ۱۰۸)

اور اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کے سوا جن معبودوں کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ
یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنیاد پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔

اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے روشناس کرایا جائے۔ پیغام حق کی تبلیغ کی جائے، لیکن اس دوران بحث و مباحثہ، لڑائی جھگڑا اور دل آزاری سے اجتناب کیا جائے۔ بحث و مباحثہ کی نوبت بھی آجائے تو تہذیب و شائستگی کے ساتھ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (العنکبوت:۴۶) (اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے)۔

اجتماعیت کا حق

اسلام اجتماعیت کو پسند کرتا ہے۔ کسی کام کے لئے لوگوں کا اکٹھا ہونا اور مل کر انجام دینا اسے انفرادی طور پر انجام دینے سے بہتر ہے۔ معاشرے میں بھلائی پھیلانے، برائی سے روکنے اور خیر کی طرف دعوت کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ ایک جماعت قائم کی جائے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:۱۰۴)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضروری ہونے چاہیے جو نیکی کی طرف بلائیں بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں
سے روکتے رہیں۔

اس قسم کی جماعت سازی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس عظیم کام کو انجام دینے کی وجہ سے امت محمدیہ کو خیر امت کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران:۱۱۰)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق

قرآن مجید نے ہر آدمی کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کے خلاف آواز بلند کرے اور ظالم کے ظلم کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء:۱۴۸)

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بد گوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔

معاشی حق

معاشرے میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی روزی روٹی کا انتظام کرنے سے عاجز و بے بس رہتے ہیں۔ اسلام انہیں معاشرے میں بے یار و مددگار، دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں چھوڑتا بلکہ اس نے ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جسے مالداروں سے وصول کیا جاتا ہے اور غریبوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں ۳۰ سے زائد مقامات پر اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ایتاء زکوٰۃ کا حکم موجود ہے۔

۲۔ قرآن مجید انفاق پر غیر معمولی زور دیتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ادائیگی زکوٰۃ کے حکم کے علاوہ انفاق کا ذکر ۷۰ سے زائد بار ہوا ہے۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف اہل ثروت صاحب نصاب پر فرض ہے لیکن انفاق ہر اس شخص پر فرض ہے جس کا مال نصاب زکوٰۃ سے کم اور ضرورت سے زیادہ ہو، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ:۲۱۹)

اور پوچھتے ہیں ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔

انفاق پر غیر معمولی زور دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر: ۷)

تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

۳۔ قرآن مجید میں قرض، عاریت، وراثت، وصیت، مہر اور نفقہ وغیرہ کے سلسلے میں جو احکام دیے گئے ہیں ان سے بھی افراد معاشرہ کو معاشی تحفظ اور خوش حالی حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ اسلام نے ریاست کی ذمہ داری قرار دی ہے کہ جن کا کوئی کفیل نہ ہو ان کی کفیل وہ خود بنے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: السلطان ولی من لا ولی لہ[۴] (جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست حکمراں ہے)۔

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے معذور آدمی کے لئے جو کمانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو ہر مسلمان کا دروازہ کھول کر اس کے معاشی حقوق کی ضمانت فراہم کر دی۔ ارشاد الٰہی ہے:

لَيْسَ عَلَي الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَي الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (النور: ٦١)

کوئی حرج نہیں ہے اگر کوئی اندھا یا لنگڑا یا مریض (کسی کے گھر سے کھالے) اور نہ تمہارے اوپر اس میں کوئی مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماں نانی کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے، یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے، یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا ان گھروں سے جن کی کنجیاں تمہاری سپردگی میں ہوں۔ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ تم لوگ مل کر کھاؤ یا الگ الگ البتہ جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، دعائے خیر اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی بڑی بابرکت اور پاکیزہ۔ اس طرح اللہ تمہارے سامنے آیات بیان کرتا ہے توقع ہے کہ تم سمجھ بوجھ سے کام لوگے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اندھے، لنگڑے، مریض اور معذور افراد کے لئے ہر مسلمان کا دروازہ کھول دیا ہے وہ جہاں سے چاہیں کھانا طلب کر سکتے ہیں۔ اپنے گھر کے علاوہ ماں باپ، دادا دادی، بھائی بہن، چچا، پھوپھی،

---

[۴] ۔ جامع ترمذی ابواب النکاح، باب ماجاء لا نکاح الا بولی

ماموں، خالہ وغیرہ کے گھر سے بلا تکلف ایسے ہی کھا سکتا ہے جیسے وہ اپنے گھر کھاتا ہے۔

انصاف کا حق

انصاف کا حصول ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے بلا کسی استثناء تمام لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کی ہدایت کی ہے خواہ اس کی زد خود ان کے گھر والوں اور رشتہ داروں پر کیوں نہ پڑے۔ ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء: ۱۳۵)

اے لوگو! جو ایمان لائے! انصاف کے علم بردار اور اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے بنو۔ اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔

ایک دوسری جگہ دشمنوں کے ساتھ بھی بے انصافی کی ممانعت اور جادۂ انصاف پر قائم کرنے کی تاکید فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭاِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭاِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ:۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

اس معاملے میں اسلام نے عدل و انصاف کو یہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ حکمرانوں کو بھی عدالت میں حاضر ہونے کا پابند کیا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ خلافت میں فریق مخالف کی طرح عدالت میں حاضر ہوئے تھے۔

مساوات کا حق

اسلام کے نزدیک دنیا کے تمام انسان برابر ہیں۔ اگر کسی کو فضیلت حاصل ہے تو وہ تقویٰ کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

(الحجرات:۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

اس آیت میں پہلی بات یہ بتائی گئی کہ سارے انسانوں کی اصل ایک ہے مختلف قوموں، نسلوں، زبانوں اور رنگوں کے درمیان ان کی تقسیم کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ قوموں اور قبیلوں کی تقسیم صرف تعارف کے لئے ہے۔ فخر وفضیلت اور امتیاز کے لئے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں کیوں کہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ اس حقیقت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں انتہائی بلیغ انداز میں آشکارا کیا ہے:

یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی العجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسودولا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ[۵]

اے لوگو! سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر ماسوا تقویٰ کے۔

معصیت سے اجتناب کا حق

قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو یہ حق دیا ہے کہ وہ کسی بھی ایسے حکم کو ماننے سے انکار کردے جس کی تعمیل سے معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو۔ والدین کا مقام و مرتبہ کتنا بلند ہے۔ تاہم اگر وہ بھی گناہ اور شرک کا حکم دیں

---

[۵] مسند، جلد ۵ ص ۴۱۱۔

تو اس میں ان کی اطاعت لازم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙفَلَا تُطِعْهُمَا (لقمان:۱۵)

لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہر گز نہ مان۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا طاعة فى معصية الله انما الطاعة فى المعروف[۶] (اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف معروف کے کام میں ہے)۔

اگر کوئی حاکم یا افسر اپنے ماتحتوں کو ناجائز کام کا حکم دیتا ہے تو ان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے افسر کی اطاعت کریں۔

سکونت کا حق

قرآن مجید کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے شخص کو اس کے گھر سے بے گھر کرے۔ قرآن مجید کی نگاہ میں لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا جرم ہے۔ بنی اسرائیل کے جرائم کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن مجید کہتا ہے:

وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (البقرہ:۸۵)

تم اپنی برادری کے کچھ لوگوں کو بے خانماں کر دیتے ہو ظلم و زیادتی کے ساتھ ان کے خلاف جتھے بندیاں کرتے ہو۔

اسلام جلاوطنی کی سزا صرف مفسدوں اور باغیوں کو دیتا ہے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ برپا کرتے ہیں اور دین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لئے قرآن مجید میں جو مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے: اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (المائدہ : ۳۳) (یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں)۔

عمل غیر کی ذمہ داری سے برأت کا حق

انسانی حقوق کے تعلق سے اسلام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ آدمی صرف اپنے اعمال اور اپنے جرائم کے لئے

---

[۶] سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الطاعة، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فی وجوب الامراء، الخ

ذمہ دار ہے۔ دوسروں کے اعمال اور جرائم میں اسے پکڑا نہیں جاسکتا۔ قرآن مجید نے وہ اصول بیان کیا:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ (الانعام:۱۶۴)

ہر شخص جو کچھ کماتا ہے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

سورہ بقرہ میں صریح حکم ہے: فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (البقرہ:۱۹۳) (تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں)۔

قرآن مجید کی رو سے کسی مجرم کی سزا اس کے باپ، بھائی، بیٹوں اور دوسرے عزیزوں کو نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:۱۸)

کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور اگر بوجھ سے لدا ہوا نفس اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے پکارے گا تو اس کے بار کا ادنیٰ حصہ بھی بٹانے کے لئے کوئی نہ آئے گا چاہے وہ قریب ترین رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

شبہات کی بنیاد پر گرفتاری نہیں کی جائے گی

اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی شخص کو محض شک و شبہ پر گرفتار کیا جائے اور کھلی عدالت میں اس کا جرم ثابت کیے بغیر اسے قید کیا جائے۔ اس کے نزدیک جب تک ملزم کا جرم ثابت نہ ہو وہ بے قصور ہے اور اس کی آزادی کو ختم کرنا غلط ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: واللہ لا یوسر رجل فی الاسلام بغیر العدول[۷] (اللہ کی قسم اسلام میں کسی شخص کو قید نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ معتبر گواہی کے ذریعہ اس کا مجرم ہونا ثابت نہ ہو جائے)۔

پناہ کا حق

اسی طرح اسلام انسانوں کو یہ حق بھی دیتا ہے کہ اگر ان پر کسی علاقے میں ظلم کیا جارہا ہے، ناحق ان کے

---

[۷] موطا امام مالک، کتاب القضیۃ، باب ماجاء فی الشہادات

حقوق کی پامالی کی جارہی ہے اور وہ اپنے اندر دفاعی طاقت نہیں رکھتے تو کسی ایسے علاقے میں پناہ لے لیں جہاں وہ اپنی آزادی، عزت نفس اور عقیدہ و مذہب کو باقی رکھ سکیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا (النساء:۹۷)

جولوگ اپنے نفس پر ظلم کررہے تھے، ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے فرشتوں نے کہا، کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کاٹھکانا جہنم ہے اور بڑا ہی براٹھکانا ہے۔

قرآن مجید کی رو سے پناہ حاصل کرنے کا حق تمام لوگوں کو حاصل ہے خواہ وہ کسی رنگ و نسل سے ہوں، کسی قوم اور ملک سے تعلق رکھتے ہوں، کسی مذہب کے ماننے والے ہوں، کوئی زبان بولتے ہوں۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ (توبہ:۶)

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تاکہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کے مامون جگہ تک پہنچادو۔

اسلام کے عطا کردہ بنیادی انسانی حقوق جان لینے کے بعد بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے امتیازی پہلوؤں اور اقوام متحدہ اور اسلام کے عطا کردہ حقوق کے مابین جو فرق پائے جاتے ہیں ان پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

اسلام کے عطا کردہ حقوق کے امتیازی پہلو

اسلام کے عطا کردہ تصور حقوق انسانی کا پہلا امتیاز یہ ہے کہ اس نے مٹی سے پیدا انسان کو قابل احترام وجود بتایا۔ قرآن مجید نے احترام انسانیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور اسے اس کائنات کی سب سے محترم اور مکرم ہستی قرار دیا ہے۔ اس کی عظمت اور شرف و کرم کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالی نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰۗئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (البقرہ:۳۴) (پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے جھک جاؤ)۔

دوسری آیت میں بتایا کہ اللہ تعالی نے اس خاک کے پتلے میں اپنی روح پھونکی اور اسے مسجود ملائک بنایا۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (الحجر: ۲۹)

جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔

مخلوقات میں سب سے محترم ذات انسان کی ہے۔ تمام مخلوقات میں اسے بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین:۴) (اور ہم نے انسانوں کو بہترین ساخت پر پیدا کیا)۔

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اسے شرف وفضیلت سے نوازا گیا، بے شمار نعمتیں عطا کی گئیں، زمین وآسمان کی ساری چیزیں مسخر کرکے اس کی خدمت میں لگادی گئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا (بنی اسرائیل:۷۰)

ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

سورہ لقمان میں ارشاد ربانی ہے:

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (لقمان:۲۰)

کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے زمین وآسمان کی ساری چیزیں تمہارے لئے مسخر کر رکھی ہیں۔

تصور حقوق انسانی کا دوسرا امتیازی پہلو یہ ہے کہ اسلام نے بتایا کہ انسانوں پر انسانوں کے حقوق کیا ہیں؟ ان کی ادائیگی اور پاس داری کس طرح کی جائے اور نہ ادا کرنے کی صورت میں کس طرح کی تباہیاں آتی ہیں اور انسانی دنیا کا امن وسکون کس طرح غارت ہو جاتا ہے:

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کی ہے۔ بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا گیا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَاۗءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (البقرہ :۸۳و۸۴)

اور یاد کرو اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو، پھر ذرا یاد کرو ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا تم نے اس کا اقرار کیا تھا اور تم خود اس پر گواہ ہو۔

اسلام حقوق انسانی کے تعلق سے اپنے ماننے والوں کو یہ تصور دیتا ہے کہ حقوق کی حفاظت اور ادائیگی کے باب میں کسی طرح کی کوئی تفریق روا نہیں ہے۔ ہر ایک کو جان مال، عزت آبرو کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ ہر کوئی آزادی اظہار رائے رکھتا ہے۔ مساوات اور عدل وانصاف ہر شخص کا بنیادی حق ہے، اسلام اپنے پیروؤں کو سخت تاکید کرتا ہے کہ وہ حقوق انسانی کی ادائیگی میں رنگ و نسل، مذہب و ملت، کالے گورے اور اپنے پرائے کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک نہ کریں، کیوں کہ سارے بنی نوع انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ ان کو بنیادی حقوق سے محروم رکھے۔

تصور حقوق انسانی کے تعلق سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اسلام تحصیل حقوق کے بجائے فرائض کی ادائیگی پر زور دیتا ہے، لوگوں کو ان کے فرائض یاد دلاتا ہے اور ان پر دوسروں کے جو حقوق ہیں انہیں دیانت داری سے ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ اس تعلق سے محمد صلاح الدین رقم طراز ہیں:

قرآن کریم نے بنی نوع انسان کو، مختلف امتوں کو، انبیائے کرام، افراد کو، کفار اور مشرکین کو اور اہل ایمان کو جہاں جہاں خطاب کیا ہے انہیں ان کا فرض یاد دلایا ہے اور فرض کی ادائیگی پر ہی دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سربلندی کا وعدہ کیا ہے۔ پورا قرآن اپنی اولین آیت سے لے کر آخری آیت تک کہیں بھی مستحقین سے خطاب کرکے انہیں یہ مشورہ اور ترغیب نہیں دیتا کہ اٹھو متحد ہو جاؤ، جتھا بندی کرو، تنظیم سازی کرو اور بزور اپنا حق حاصل کرو۔[۸]

حقوق کی ادائیگی سے متعلق جس آیت کو لیجئے اس میں صرف ادائیگی حقوق پر زور دیا گیا ہے، کہیں مطالبہ کی بات نہیں کی گئی، مثال کے طور پر اللہ اقرباء، مساکین و مسافروں کے حق کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

۸۔ محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، جنوری ۱۹۷۹ء ص ۱۹۱۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (روم:۳۸)

پس رشتہ دار کو حق دے اور مسکین و مسافر کا بھی حق ادا کر۔ یہ ان لوگوں کے لئے باعث خیر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اسی طرح صاحب مال و دولت اور اصحاب ثروت کو اس بات کی تاکید فرمائی کہ ان کے مال میں مانگنے والوں اور مال و دولت سے محروم لوگوں کا حق ہے: وَفِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الذاریات:۱۹) (اور ان کے مالوں میں حق تھا سائل اور محروم کے لئے)۔

کھیتی باڑی اور باغبانی کرنے والے لوگوں کو بھی اس بات کی تاکید ہے کہ جب فصل کٹ جائے یا پھل کھانے کے لائق ہو جائیں تو اس سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ساتھ دوسرے جو اس سے محروم ہیں انہیں بھی عطا کریں۔ یہ ان کا حق ہے اور صاحب باغ کا فرض۔ ارشاد ربانی ہے:

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ (الانعام:۱۴۱)

ان کے پھلوں سے فائدہ اٹھاؤ جب وہ پھلیں اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق ادا کرو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن مجید کے تصور حقوق انسانی کا ایک اہم امتیازی پہلو اس کی ہمہ گیری اور جامعیت بھی ہے۔ یہ انسانی زندگی کے کسی ایک حصہ یا ایک خاص عمر تک حقوق کو محدود نہیں رکھتا اور نہ کسی ہنگامی صورت حال میں ادائیگی حقوق کی تلقین کرتا ہے۔ بلکہ قرآن مجید حقوق انسانی کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ رحم مادر سے لے کر انسان کو قبر میں ڈالے جانے تک پھیلا ہوا ہے۔ امن کی حالت ہو یا جنگ کی، دوستی کا تعلق ہو یا دشمنی کا، انسان کی اجتماعی زندگی ہو یا سیاسی اور اقتصادی، ہر حال میں حقوق ادا کئے جائیں گے۔

اقوام متحدہ کے عطا کردہ بنیادی حقوق اور اسلامی حقوق کے درمیان فرق

انسانی حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی جانب سے اعلان کردہ تیس دفعات پر مشتمل عالمی منشور اور اسلامی بنیادی حقوق، دونوں کا جائزہ لینے کے بعد بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پہلا بنیادی فرق قوت نافذہ کا ہے۔ اقوام متحدہ کے منشور کی حیثیت محض ایک خوشنما دستاویز کی ہے۔ اس میں حقوق کی ایک فہرست بیان کر دی گئی ہے، لیکن ان میں سے کوئی ایک حق بھی اپنے پیچھے قوت نافذہ نہیں رکھتا۔ منشور میں کہیں یہ بات نہیں لکھی

گئی ہے کہ اگر کوئی ملک کسی کا بنیادی حق سلب کرتا ہے تو اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔ اس کی بازیابی کے لئے کس عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور نہ کسی ریاست پر کوئی قانونی پابندی عائد کی گئی ہے کہ وہ کسی کو بنیادی حقوق سے محروم نہ کرے۔

ان دفعات میں جو معاشی اور سماجی حقوق بیان کئے گئے ہیں ان کی اصل حقیقت واضح کرتے ہوئے محمد صلاح الدین ڈاکٹر رفائل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

یہ نام نہاد معاشی اور سماجی حقوق کوئی بین الاقوامی فرض عائد نہیں کرتے۔ یہ ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق کچھ چیزیں دینے سے ہے مثلاً معقول آمدنی، اسکول اور سماجی خدمت وغیرہ لیکن کس سے کہا گیا ہے کہ وہ یہ چیزیں مہیا کریں؟ یہ فرض آخر کس سے متعلق ہے۔ اقوام متحدہ کے منشور انسانی حقوق کے مصنفین جب یہ کہتے ہیں کہ: ہر فرد کو سماجی تحفظ کا حق حاصل ہوگا تو کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد کو ایک عالم گیر تحفظ کو کچھ عطیہ دینا چاہیے، جس سے ضرورت پڑنے پر وہ فائدہ اٹھا سکے گا۔ اگر واقعی ان کی مراد یہی ہے تو ان عہد ناموں کے مسودے میں جن کا مقصد منشور کا نفاذ ہے، اس قسم کے نظام کی تشکیل کے لئے کوئی دفعہ کیوں نہیں ہے؟ اور اگر ایسا نظام وجود نہیں رکھتا تو پھر کیسا فرض اور کہاں کا حق؟ لوگوں پر ایسا فرض عائد کرنا جس کی ادائیگی کا امکان ہی نہ ہو سراسر حماقت ہے تاہم یہ اتنی ظالمانہ نہیں جتنی یہ حماقت کہ لوگوں کو ایسے حقوق عطا کر دیے جائیں جن سے وہ کوئی استفادہ ہی نہ کر سکیں۔[۹]

اس کے بالمقابل اسلام نے جو بنیادی حقوق عطا کیے ہیں وہ محض خوشنما اخلاقی اصولوں کا کوئی بے جان مجموعہ نہیں ہے۔ اس کی پشت پر ایک مضبوط قوت نافذہ ہے جسے اصل روح کی حیثیت حاصل ہے۔ اگر کوئی فرد یا ملک کسی کو بنیادی حق سے محروم رکھنا چاہتا ہے یا رکھتا ہے تو اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ ظالم کو اس کے ظلم سے روکے اور مظلوم کا حق دلا کر اس کی دادرسی کرے۔

یہاں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ جو چاہے رضاکارانہ طور پر ان حقوق کو تسلیم کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ بلکہ سب کو ان حقوق کو تسلیم کرنا ہے اور نہ ماننے کی صورت میں بہ جبر منوایا جائے گا اور پامالی سے روکا جائے گا۔ دوسرا بنیادی فرق یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے دیے ہوئے بنیادی حقوق لچک دار اور قابل

---

[۹] ۔ حوالہ سابق ص ۸۷۔۸۸

انتقال ہیں۔ یعنی جب اور جہاں کہیں انسانی عقل کو پتا چلتا ہے کہ فلاں حق انسان کا بنیادی حق ہے فوراً اپنے بنائے ہوئے حقوق کی فہرست میں اس حق کا اضافہ کر دیا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں اسلام کے بتائے ہوئے انسانی بنیادی حقوق دائمی اور غیر متبدل ہیں۔ اس تعلق سے محمد صلاح الدین رقم طراز ہیں:

اللہ کے دائمی اور غیر متبدل اقتدار اعلیٰ کی طرح اس کی طرف سے مقرر کردہ انسان کے بنیادی حقوق بھی دائمی اور غیر متبدل ہیں۔ ان میں کسی کو تبدیلی یا تنسیخ کا حق نہیں ہے۔ یہ محفوظ اور متعین حقوق فرد اور ریاست کے درمیان ایک مستحکم رشتہ قائم کرتے ہیں اور باہمی نزاع وکشمکش کی بجائے ان دونوں کو ایک دوسرے کا معاون و سرپرست بنا دیتے ہیں۔[۱۰]

خلاصہ

مذکورہ بالا بحث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانوں کے بنیادی حقوق نہایت باریک بینی اور تفصیل سے بیان کر دیے ہیں جن کے اہم امتیازات بھی ہیں۔ اگر آج انسانوں کو یہ بنیادی حقوق ملنے لگیں تو سماج اور معاشرہ امن وامان کا گہوارہ ہو جائے اور ہر شخص چین اور سکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔

[۱۰]۔ حوالہ سابق ص ۱۰۴۔۱۰۵

برصغیر میں زبور اور انجیل کے اولین فارسی مترجم
قاضی نظام الدین احمد صغیر نائطی مدراسی

ڈاکٹر راہی فدائی
9448166536

مسلمانوں میں ''ہجرت'' کا عمل صدیوں سے جاری ہے ''ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست'' کے مصداق اہل اسلام نے مختلف اسباب و علل کے تحت ہجرت کو اپنے سینے سے لگالیا اور اس کو اپنی ترجیحات میں اہم مقام عطا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے ریگ زاروں میں جب بھی ظلم و جبر کا سیلاب امنڈ آیا اور پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو عرب میں آباد بعض قبیلوں نے اپنے حکمرانوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر اُس سرزمین کی طرف رُخ کیا جہاں سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مشامِ جام کو ربانی خوشبو محسوس ہوئی تھی۔[1] تاریخ گواہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ خاص جن فضاؤں کو حاصل ہے وہ وسیع و عریض ملک ہند کی فضائیں ہیں، اسی لئے عرب مہاجرین قافلہ در قافلہ ہندوستان کی سرزمین پر اترتے گئے اور جنوبی ساحل معبر و ملیبار پر بے تکلف بود و باش اختیار کرتے رہے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان (متوفی ۸۶ھ) کے گورنر حجاج بن یوسف (متوفی ۹۵ھ) کے دور اقتدار اور خلیفہ ابو جعفر منصور (متوفی ۱۵۸ھ) کے عہد حکومت کے علاوہ مصر کے حکمرانوں کے وقت میں بھی کئی قافلوں نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور جنوب کے مشرقی اور مغربی ساحلوں کے آس پاس اپنی مستقل قیام گاہیں بنالیں۔ انہیں میں سے موجودہ ٹمل ناڈو کے آخری سرے پر واقع شہر قاہرہ پٹن بھی ہے جو امتداد زمانہ کے ساتھ ''کایل پٹنم'' ہوگیا۔ اس شہر میں قاہرہ (مصر) سے آئے ہوئے مسلمانوں کی آبادی تھی، اسی لئے اس کا نام ''قاہرہ پٹن'' ہوگیا تھا۔ یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اولین نوآبادیوں میں سے ایک ہے، یہاں بارہ صدیوں پیشتر ۲۲۸ھ مطابق ۸۰۴۳ء میں تعمیر کردہ مسجد آج بھی اپنا تقدس و وقار برقرار رکھے ہوئے ہے۔ راقم الحروف کو الحمدللہ اس کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کی آبادی چالیس ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ جو سب کے سب مسلمان ہیں۔ اس شہر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ سنیما ہال ہے، نہ کوئی

---

[1]۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، سید سلیمان ندوی کی تصانیف: ایک مطالعہ، مطبوعہ دارالمصنّفین، اعظم گڈھ، ۱۹۸۶ء ص ۲۹۴۔

پولیس تھانہ اور نہ کوئی ہوٹل اور لاج، میں نے وہاں کے احباب سے دریافت کیا کہ کوئی مسافر یا سیاح آپ کے شہر میں وارد ہوگا تو کیا اسے قیام و طعام کا مسئلہ درپیش نہیں ہوگا؟ اس پر جواب دیا گیا کہ نہیں، یہ اس لئے کہ یہاں زیادہ تر مسلمان ہی آتے ہیں، وہ بھی کبھی کبھی۔ جب مسلمان مسجد میں حاضر ہوتا ہے تو عربوں کی روایت کی طرح یہاں بھی لوگ اسے اپنا مہمان بنانے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں گھروں میں اور کھیت کھلیانوں میں کام کرنے والے غیر مسلم مزدور ''کائل پٹنم'' (توت کوڈی ضلع) کے مضافات میں واقع دیہاتوں سے صبح سویرے آتے ہیں اور شام ہوتے ہی واپس اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں، یہ سلسلہ صدیوں سے آج تک جاری ہے۔

اس تمہید سے یہ باور کرانا مقصود ہے کہ صدیوں سے جاری ہجرت کے عمل کے تحت قبیلۂ قریش کی ایک شاخ ''نائطی'' کے سربرآوردہ بزرگ حضرت شاہ علی سرمست قلندرؒ (متوفی ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء) پانچویں صدی کے اواخر میں مدینہ منورہ سے بصرہ اور شیراز ہوتے ہوئے گجرات کے ایک مشہور شہر ''مہروالا پٹن'' تشریف لائے اور اشاعت دین کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ''پٹن'' ہی کی خاک میں آسودہ ہوگئے۔ انہیں سے خانوادۂ مکری کا سلسلہ جاری ہوا۔[۲] اسی طرح ایک اور نائطی قبیلہ جنوبی ہند کے علاقہ مہائم (ممبئی، مہاراشٹر) میں قیام پذیر ہوگیا تھا، اس خانوادے کی مشہور علمی و صوفی شخصیت ملا فقیہ مخدوم علی مہائمی نائطیؒ (۷۷۶-۸۳۵ھ) مصنف ''تبصیر الرحمن فی تفسیر القرآن'' و ''الزوارف فی شرح المعارف'' وغیرہ کی ہے۔ ان ہی حضرت مہائمی کے معاصرین میں فقیہ عطا احمد شافعی نائطی جید عالم وفقیہ گزرے ہیں، ان کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے مایہ ناز فقہا میں ہوتا ہے۔ انہوں نے عمر عزیز تمام درس وتدریس میں اور اصلاح وارشادِ اُمّت میں گزار دی۔ ان کے فرزند فقیہ مخدوم اسحاق بھی اپنے وقت کے مشہور اہل علم و فضل میں سے تھے، عوام وخوص ان کو اپنا مخدوم سمجھتے تھے اسی لئے نام کے آگے مخدوم کا لفظ بڑھا دیا گیا۔ حضرت اسحاق صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، ان کی کرامتوں کے واقعات زبان زدِ خاص وعام ہیں۔[۳] فقیہ مخدوم اسحاق کے فرزند فقیہ مخدوم اسماعیل تھے جن کی وفات ۸۷۹ھ میں ہوئی تھی، وہ بھی اپنے والد ماجد کی طرح بلند پایہ عالم و

---

[۲] ۔ محمد علی مکری فلک شکوہ خانہ زاد ''گنج شائگاں'' مقدمہ ڈاکٹر راہی فدائی، مطبوعہ الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد سنہ ۲۰۱۶ء، ص ۸۔

[۳] ۔ محمد یوسف کوکن عمری افضل العلماء، خانوادۂ قاضی بدرالدولہ (جلد اول) ناشر، دارالتصنیف، مدراس، ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۳ء، ص ۲۶۔

فاضل اور صوفی کامل ہونے کے علاوہ مقبول و ممتاز فقیہ تھے۔ حضرت اسماعیل کے فرزند کا اسم گرامی ابو محمد تھا، جن کی للہیت و خشیت مثالی تھی، حضرت ابو محمد کے لخت جگر قاضی احمد کو سلطنت وقت نے منصب قضا پر فائز کیا تھا، قضا کا یہ سلسلہ ان کی سات پشت تک چلتا رہا، اس سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی مولانا محمد صبغت اللہ معروف بہ قاضی بدرالدولہ (ولادت ۱۲۱۱ھ وفات ۱۲۸۰ھ) ابن مولانا محمد غوث شرف الملک بہادر (متوفی ۱۲۳۸ھ) کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ قضا کا یہ تسلسل آپ کے خانوادے کے مختلف افراد سے ہوتا ہوا تاحال جاری و ساری ہے۔ قاضی احمد کے نور نظر قاضی محمد کبیر (متوفی ۹۹۵ھ) ہیں، جن کی اولاد میں قاضی بدرالدولہ کی ذات والاصفات ہے۔ چونکہ قاضی محمود کبیر کے ایک پوتے کا نام بھی قاضی محمود ہے اس لئے دادا کے نام کے ساتھ کبیر لگایا گیا اور پوتے کے نام کا لاحقہ صغیر رکھا گیا، حضرت قاضی محمود بڑے ہی متقی اور باخدا بزرگ تھے سلطنت عادل شاہی بیجاپور کے حکمران سلطان ابراہیم عادل شاہ معروف بہ جگت گرو (متوفی ۱۰۳۸ھ /۱۶۲۸ء) نے ۹ ذی الحجہ ۹۹۳ھ کو ایک فرمان کے ذریعہ ان کے نام پر موضع کلیان کی جاگیر کا پروانہ جاری کیا تھا۔[۴] قاضی محمود صاحبِ تصرف ہونے کے علاوہ فنافی الرسول کے درجے پر فائز تھے، ان کے سفر حج کے دوران مدینہ منورہ آمد کے موقع پر شاہ کونین سردار کائنات ﷺ نے روضۂ مبارک کے خادم سے خواب میں ارشاد فرمایا کہ ہمارا ایک عزیز آرہا ہے اس کا استقبال کرو اور اسے عزت واحترام کے ساتھ یہاں لے آؤ، ان کے کمالاتِ باطنی کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ مراٹھا سردار چھترپتی شواجی (متوفی ۱۰۹۱ھ مطابق ۱۶۸۰ء) کے دور حکومت میں بیجاپور کے قلعہ کی مرمت ہوئی اس دوران وہاں موجود قبروں کو ڈھایا جارہا تھا جب قاضی محمود علیہ الرحمہ کی قبر کھولی گئی تو کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا اس کی اطلاع پا کر شواجی نے کفن کھول کر دیکھنا چاہا تو کفن سے ہاتھ برآمد ہوا اور اسے زوردار طمانچہ رسید کیا، یہ دیکھ کر اور خوف زدہ ہو کر اس نے مزار کو اسی طرح بحال رکھنے کا حکم جاری کیا۔[۵] ان کی ایک تصنیف ''تعلیقاتِ قاضی محمود بر معاملات گووا'' یادگار ہے۔[۶]

حضرت قاضی محمود کبیر کے صاحبزادے قاضی رضی الدین مرتضیٰ رضی ''پسر نمونۂ پدر راست'' کے مصداق والد ماجد کی طرح عالم و فاضل اور صوفی صافی ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجے کے شاعر بھی

---

[۴] ۔ حوالہ سابق ص ۲۸۔

[۵] ۔ حوالہ سابق ص ۳۲۔

[۶] ۔ حوالہ سابق ص ۳۳۔

تھے۔ رضیؔ تخلص اختیار کیا تھا، صنائع و بدائع پر مشتمل معرکہ آرا کتاب سنہ ۹۹۸ھ میں تصنیف کی، یہ کتاب تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس کا ایک نسخہ کتب خانۂ مدرسہ محمدی، دیوان صاحب باغ، مدراس کا مخزونہ ہے۔ انہوں نے اپنے برادر خرد ملّا احمد کی خواہش و اصرار پر یہ کتاب تحریر کی تھی اور اسے سلطان ابراھیم عادل شاہ جگت گرو (۹۸۸-۱۰۳۶ھ) کی خدمت میں تحفتاً پیش کیا تھا جس کا قطعہ تاریخ خود انہوں نے رقم کیا۔

اے رضیؔ تحفہ ات پسند افتاد
احسنت گفتہ زہرہ و مریخ
قدر او بیں کہ از حساب جُمل
آفریں گفتہ آسماں تاریخ[۷]

قاضی رضیؔ قادرالکلام اور پُر گو شاعر تھے کئی قصائد، غزلیں، رباعیات اور قطعات ان کی یادگار ہیں نموتناً ایک رباعی پیش کی جارہی ہے۔

آں دم کہ نشاں ازانجم و خاک بنود
بروئے زمیں قبۂ افلاک نبود
بر یاد لبت مدام می خوردم
ایں طرفہ کہ رز نبود و تاک نبود[۸]

حضرت رضیؔ کے پانچ فرزندوں میں دوسرے اور تیسرے فرزند قاضی محمدؔ صغیر اور قاضی حسینؔ لطف اللہ صاحبان فضل و کمال ہونے کے علاوہ سرچشمۂ علم و عرفان بھی تھے، امور قضاء کی بجاآوری کے ساتھ درس وتدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں دونوں بزرگوں کی مقبولیت تھی۔ قاضی حسینؔ لطف اللہ کے صاحبزادے قاضیؔ نظام الدین احمد کبیر ولادت (۱۰۱۸ھ غالباً-وفات ۱۱۰۰ھ کے بعد) کا شمار اپنے وقت کے جلیل القدر محدثین وفقہا میں ہوتا ہے۔ وہ مشہور محدث عوض بن محمد شیخ الضَعیف الحضرمی شافعی تلمیذ شیخ عیسیٰ بن محمد بن احمد الجعفری المغربی المالکی ثعالبی (متوفی ۱۰۷۹ھ) کے شاگرد رشید تھے۔ استاذ محترم نے آپ کو حدیث اور دیگر علوم کی جو سند بتاریخ

۷۔ حوالہ سابق ص ۳۷۔

۸۔ ایضاً، ص ۴۴۔

۵/شعبان ۱۰۹۸ھ عطا فرمائی تھی۔ وہ آج تک خاندان کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔[9] ابتدائی دور میں بیجاپور کے سلطان علی عادل شاہ ثانی (عہد حکومت ۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دربار میں میر منشی کے عہدے پر فائز ہوئے، سلطان نے اپنا سفیر بنا کر شہنشاہ دہلی شاہجہاں (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) کی خدمت میں روانہ کیا، سلطان کو ان کے علم و حکمت اور فراست و ذکاوت پر بڑا اعتماد تھا، یہی وجہ ہے کہ سلطان نے ان کو منصب قضا پر متمکن کیا۔ سلطان علی عادل شاہ ثانی کے بعد سلطنت کے حالات ناساز گار اور دگرگوں ہونے لگے تو انہوں نے عہدۂ قضا سے استعفیٰ دے کر گوشہ نشینی اختیار کرلی، اس دوران درس و تدریس اور عبادت و ریاضت ہی ان کا مشغلہ تھا، نوے سال کی عمر میں ۱۸ ربیع الاول کو وفات پائی۔)[10] وفات کے متعلق مولانا یوسف کوکن عمری رقم طراز ہیں:

کہا جاتا ہے کہ قاضی نظام الدین احمد کبیر نے اپنی وفات کے دن غسل کر کے سفید لباس پہنا اور اپنے کمرے میں بھی پاک وصاف سفید فرش بچھوایا، پھر اس پر خود بیٹھے وہ بار بار اٹھ کھڑے ہوتے اور سلام کرتے، گویا وہ کسی آنے والے کا استقبال کر رہے ہیں، کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے تیمارداروں سے کہا مجھے دروازے تک لے چلو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، جب دروازے کے قریب پہنچے تو کہا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ غلام اس عزت افزائی کا مستحق نہیں تھا، پھر واپس آکر دو زانو ہو بیٹھے اور کچھ دیر بعد بلند آواز سے کلمۂ شہادت پڑھا اشہد ان لا الہٰ الا اللہ واشہد انک محمد عبدہ و رسولہ" پھر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔[11]

حضرت قاضی نظام الدین احمد کبیر کے فرزند قاضی محمد عبد اللہ شہید (ولادت ۱۰۸۰ھ تقریباً شہادت ۱۱۴۵ھ) علوم معقولات و منقولات کے بلند پایہ عالم ہونے کے علاوہ صاحبِ تصرّف بزرگ تھے، قضا ورثہ میں ملی تھی، حضرت شاہ عبداللہ حیدرآبادی سے فیض حاصل کیا، قضا کے علاوہ اورنگ زیب عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) نے ۱۱۰۸ھ میں حسن آباد (گلبرگہ) کا محتسب مقرر کرتے ہوئے ۵۷ بیگہ زمین بطور جاگیر کا پروانہ عطا کیا تھا، جس میں ان کا اسم گرامی "شریعت و صدارت پناہ، شرافت و نجابت دستگاہ، فضائل وافاضت مرتبت، جامع الکمالات، مستجمع الحسنات، قاضی القضاۃ قاضی خواجہ عبداللہ تحریر کیا گیا ہے، اس سے معلوم

---

[9] ۔ ایضاً، ص ۸۰۔

[10] ۔ ایضاً، ص ۸۳۔

[11] ۔ حوالہ سابق ص ۸۴۔

ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت عہد عالمگیری میں بہت ہی مستند و محترم تھی،۹ جمادی الاول ۱۱۲۲ھ کو شیخ فریدالدین عطار کی موقر تصنیف ''منطق الطیر'' اور ۱۳، جمادی الآخر ۱۱۲۳ھ کو ملا عبدالرحمن جامی کی معرکہ آرا کتاب ''لوائح''، بمقام ''بدویل'' (ضلع کڈپہ، آندھرا پردیش) نقل کی تھی۔[۱۲] رجب ''آرکاٹ'' (پایہ تخت کرناٹک) میں نواب سعاداللہ خاں نائطی (متوفی ۱۱۴۷ھ) کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے اس مسلم ریاست کی طرف کوچ کیا، نواب نے ان کو ''تاڑپتری'' (نزد کڈپہ) کا قلعہ دار مقرر کردیا، ایک مقابلے میں داد شجاعت دیتے ہوئے انہوں نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کے اور ان کے صاحبزادے حسین لطف اللہ کی قبریں ''تاڑپتری'' کی جامعہ مسجد میں زیارت گاہ خاص و عام بنی ہوئی ہیں۔ راقم نے اس مقام کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔

قاضی عبداللہ شہید کی وفات پر سید طاہر عرف حضرت صاحب نے درج ذیل قطعۂ تاریخ کہا ہے۔

دوئی بگذاشت غیریت رہا کرد
شدہ در ملک وحدت صاحبِ دل
چو تاریخ از خرد جستم بجاں گفت
بہشتی جاودانی کرد منزل

۱۱۴۵ھ

قاضی شہید نے تین صاحبزادے قاضی نظام الدین احمد صغیر، علامہ محمد صادق اور علامہ حسین لطف اللہ شہید اور تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔[۱۳] قاضی نظام الدین احمد صغیر (ولادت ۱۱۱۳ھ وفات ۱۱۸۹ھ) کی ولادت آرکاٹ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار کی سرپرستی میں ہوئی، بعدازاں آرکاٹ کے جید علما اور بلند پایہ اساتذہ کی درسگاہوں میں زانوئے تلمذ تہہ کیا، والد ماجد قاضی محمد عبداللہ کی شہادت (۱۱۴۵ھ) سے پیشتر ہی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا مشغلہ شروع کردیا تھا۔ انیتس سال کی عمر میں ''کنوز السعادہ'' تصنیف کی، جو ۴۶۰ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اس کتاب میں ائمہ اثنا عشریہ کے حالات و کوائف محقق و مدلل طور پر پیش کئے گئے ہیں اور تصنیف کا انتساب نواب سعادت اللہ خاں (۱۱۴۷ھ) والی آرکاٹ کے نام ہے۔ نواب صاحب نے آرکاٹ کی قضا کے منصب پر ان کو فائز کردیا۔ کمالات علمی کی شہرت دور دور تک پہنچی تو

---

[۱۲] حوالہ سابق ص ۱۲۲۔

[۱۳] ایضاً، ص ۱۳۲۔

اطراف واکناف کے علاقوں سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی اشکالات رفع کرنے لگے۔ چنانچہ مخزن علم وعرفان علامہ غلام علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) سنہ ۱۱۶۱ھ میں ان سے شرف ملاقات حاصل کرنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوئے اوراپنی معرکہ آراتصنیف "شمامۃ العنبر فی ماوَرَدَفی الهند عَن سیدالبشر" کا مسودہ پیش کرتے ہوئے مشورہ طلب کیا، قاضی نے مسودے کو بہت پسند فرمایااور چند مفید باتیں کتاب کے موضوع سے متعلق بتائیں جسے علامہ آزاد نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔[۱۴]

نواب سعادت اللہ خاں کی وفات کے بعد ریاست آرکاٹ کے حالات حکمرانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے تہ و بالا ہوگئے تو آصف جاہ دکن نواب قمرالدین چین قلیج خان نے نواب انوارالدین خان گوپاموی کو آرکاٹ کا ناظم بنا کر بھیجا مگر افسوس کہ نواب انوار الدین بھی فرانسیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے گڑامبور (نزدویلور) کے مقام پر بتاریخ ۱۶/ شعبان ۱۱۶۲ھ میں شہید ہوئے اس دوران ۱۱۶۱ھ میں آصف جاہ اول کا حیدرآباد میں انتقال ہو گیا،ان کی جگہ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ (متوفی ۱۱۶۴ھ) نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی، نواب ناصر جنگ نظم ونسق کی بحالی کے لئے آرکاٹ آئے،ان کے ہمراہ مشہور عالم وفقیہ شیخ محمد اسعد بن محمد سعید بن ابراھیم المکی بخاری حنفی (متوفی ۱۱۶۴ھ) بھی تھے، شیخ اسعدؒ مصنف "کتاب الامم فی ایقاظ الهمم" شیخ برہان الدین ابراہیم بن حسن کروانی و کورانی (متوفی ۱۱۰۱ھ مطابق ۱۶۸۹ء) کے تلمیذ خاص شیخ ابوالفضل محمد تاج مکی کے شاگرد اور خوشہ چیں تھے، قاضی نظام الدین صغیر نے شیخ اسعدؒ سے ملاقات کی اور ان سے استفادہ کرتے ہوئے کتب احادیث وفقہ کی روایت وتدریس کی اجازت حاصل کی۔[۱۵]

نواب انوارالدین کی شہادت کے بعد ان کے فرزند نواب محمد علی والا جاہ (متوفی ۱۲۱۰ھ) نواب ہوئے تو قاضی نظام الدین نواب والا جاہ کے حقیقی برادر نواب عبدالوہاب خان بہادر نصرت جنگ (متوفی ۱۲۱۸ھ) کے دربار سے وابستہ ہوگئے اور ان کی خواہش پر قاضی صاحب نے علامہ بہاؤ الدین عاملی کی مشہور تصنیف "خلاصۃالحساب" کا فارسی میں نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ اس کی توضیح وتشریح بھی (۱۱۶۵ھ) میں کی اور اس کا نام "فیض الوہاب شرح خلاصۃ الحساب" رکھا۔ علاوہ ازیں نواب عبدالوہاب ہی کی درخواست پر محمد عبدالعظیم مکی حنفی کی تصنیف "القول السدید فی بعض الاجتہاد والتقلید" کا ترجمہ و تشریح ۱۱۷۵ھ میں

---

[۱۴] یوسف کوکن عمری، افضل العلما "عربک اینڈ پرشین اِن کرناٹک"، مطبع امیرہ اینڈ کو، مدراس ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء، ص ۸۰۔

[۱۵]۔ حوالہ سابق ص ۸۰۔

"فتح الوہاب المجید فی ترجمۃ القول السدید" کے نام سے کیاجو ۱۸۵صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر ۱۶سطریں ہیں۔[16] قاضی صاحب کی دیگر تصنیفات میں "حصول المبرات بشرح دلائل الخیرات" رسالہ فی مقدار الکعبہ ، خواص الحیوان، سرور الصدور ترجمہ المعرب الزبور، اور "فیض الجلیل فی ترجمہ معرب الانجیل" قابل ذکر ہیں۔

قاضی نظام الدین صغیرؒ کی تصانیف میں ''سرورالصدور ترجمۃالمعرب الزبور''اور ''فیض الجلیل فی ترجمۃ الانجیل'' بے حد قیمتی اور تاریخی اہمیت کی حامل کتابیں ہیں، ان دونوں کتابوں میں اول الذکر کتاب حضرت داؤد ؑ پر نازل شدہ آسمانی کتاب ''زبور'' کا عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ ہے، یہ سنہ ۱۱۵۳ھ مطابق ۱۷۴۰ء میں کیا گیااور دوسری کتاب حضرت عیسیٰؑ کی ''انجیل'' ہے، انجیل کا فارسی ترجمہ زبور کے ترجمہ کے بعد ہوا ہے۔ یہ دونوں تراجم پورے برصغیر میں مذکورہ کتابوں کے ترجموں میں اولین نقش کی حیثیت رکھتے ہیں، باقی تمام فارسی ترجمے ۱۱۵۳ھ،۱۷۴۰ء کے بعد کے ہیں۔ مذکورہ ترجموں کے متعلق مصنف ''خانوادۂ قاضی بدرالدولہ'' رقم طراز ہیں:

جنوبی ہند اور خاص کر صوبۂ مدراس میں انگریزوں کے تسلط کی بناپر عیسائیت کا بڑا چرچا ہونے لگا تھا، پادری نہ صرف عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے بلکہ اسلام اور شارعؑ اسلام پر حملے بھی کرتے جارہے تھے، وہ توریت، زبور اور انجیل سے حوالے دیتے تھے اور عیسوی تعلیمات کی برتری پر مختلف دلائل پیش کررہے تھے، اس زمانے میں توریت، زبور اور انجیل کا ترجمہ اردو میں تو کیا فارسی میں بھی نہیں ہوا تھا، عام مسلمان عربی زبان سے اتنے زیادہ واقف نہیں تھے، فارسی یہاں کی عام زبان تھی، عیسائی مبلغین کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر قاضی نظام الدین احمد صغیر نے محسوس کیا کہ عربی توریت، زبور اور انجیل کا کم از کم فارسی میں ترجمہ کیا جائے تاکہ اس دین کی حقیقت سے عام مسلمان براہ راست واقفیت حاصل کرسکیں، چنانچہ انہوں نے (اوّلاً)۱۱۵۳ھ میں عربی زبور کا فارسی میں ترجمہ کیا اور اس کا نام ''سرورالصدور بترجمۃ معرّب الزبور'' رکھا پھر اس کے بعد انہوں نے انجیل کا ترجمہ ''فیض الجلیل فی ترجمۃ معرّب الانجیل'' کیا۔[17]

---

[16]۔ حوالہ سابق، ص۸۳۔

[17] خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، ص۱۲۹۔

سرورالصدور یعنی فارسی زبور کا تعارف کراتے ہوئے مولانا یوسف کوکن عمری نے اس کے مخطوطے کی مدد سے جو کتب خانۂ جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن کا مخزونہ ہے، یہ اطلاع دی کہ یہ ایک سو اکاون مزامیر پر مشتمل ہے، اس کے کل صفحات ۵۶۲ ہیں، ہر صفحہ پر عربی متن کی تین سطریں ہیں، حاشیہ میں ان تین سطروں کی تشریح مع ترجمہ چوبیس سطور میں کیا گیا ہے۔ ایک سو اکیسواں مزمور ''نَزَعَتِ العار عن بنی اسرائیل''، پر ختم ہوا ہے۔ قاضی صاحب نے کتاب کے اختتام پر کتاب کی تصنیف کا سال اس شعر میں بیان کیا ہے۔

بگفت ہاتف غیبم بگو کہ در تاریخ
رقم زدیم بجودِ جواد سرخ زبور

۱۱۵۳ھ

انجیل کے ترجمہ میں بھی عربی متن کے بعد حاشیہ میں اس کا فارسی ترجمہ مع تشریح تحریر ہے، پہلے دس وصیتوں کا ترجمہ ہے اور اس کے بعد اصل کتاب کا ترجمہ ہے، اس کا مکمل نسخہ دستیاب نہ ہو سکا، البتہ امیر نواز جنگ کے کتب خانے میں اس کے ابتدائی اوراق محفوظ ہیں۔[۱۸]

عربی زبان میں انجیل و زبور کے نسخے حلب (شام) میں بسال ۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۶ء مطبع دارالبطریرکیہ میں شائع ہوئے تھے، جس کی نقلیں تقریباً تیس سال بعد مدراس پہنچیں۔ انجیل کا عربی ترجمہ یونانی زبان سے کیا گیا تھا جو ۲۸۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ زبور کا ترجمہ عبداللہ فضل انطاکی نے ''کتاب مزامیر'' کے عنوان سے کیا تھا۔[۱۹] یہی تراجم قاضی موصوف کے فارسی ترجموں کی بنیاد تھے۔

برصغیر میں کلکتہ میں انجیل کے ترجمہ کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔ انگریزی حکومت نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی نگرانی میں شاہ ولیم III کے نام سے قلعہ کو منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ''فورٹ ولیم'' رکھا۔ جب ۱۷۹۷ء میں لارڈ وزلی گورنر جنرل مقرر ہو کر ہندوستان آیا تو اس نے انگریز ملازموں اور افسروں کے لیے مقامی زبان فارسی اور ہندوستانی میں کی، اعلیٰ تعلیم کے مرکز کا بتاریخ ۴ مئی ۱۸۰۰ء کا افتتاح کیا۔[۲۰] اسی فورٹ

---

[۱۸]۔ حوالہ سابق ص ۱۳۵۔

[۱۹]۔ مجید علامی جلیسہ، ایران نامہ، سال ۲۷، شمارہ-۴، سنہ ۲۰۱۲ء ص ۶۶-۶۷۔

[۲۰]۔ محمد افضل الدین اقبال پروفیسر ''مدراس میں اردو ادب کی نشو نما'' یوسف شرف الدین ادبی و مذہبی ٹرسٹ حیدر آباد، مطبوعہ ۲۰۱۰ء (دوسرا اڈیشن) ص ۱۳۰۔

ولیم سے وابستہ ولیم چیمبرز William Chambers ۱۷۲۳-۱۷۹۱ء نے جو قاضی دیوان عالی کے عہدے پر فائز تھا، اٹھارویں صدی ہجری کے اواخر میں انجیل کے ایک حصہ ''متی'' کے بیس حصوں کا یونانی زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا، ان بیس حصوں میں سے تین حصوں کو ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء میں فرانسیس گلادون نے اپنی کتاب ''منشآت فارسی در کلکتہ'' اور ''انتشارات کرونیکل'' میں شائع کیا۔[۲۱] اسی طرح ہنری مارٹن (Henry Martyn) نے انجیل کا مکمل ترجمہ ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں کیا۔[۲۲] یہ تمام تراجم قاضی نظام الدین احمد صغیر کے ترجمہ (۱۱۵۴ھ مطابق ۱۷۴۱ء) کے بعد تحریر کئے گئے ہیں۔ معجم ''دانش نامۂ جہانِ اسلام''، جو تہران (ایران) سے شائع ہوتا ہے، اس میں ''زبور'' کے ذکر کے تحت یہ اطلاع دی گئی کہ ہنری مارٹن نے ۱۸۱۲ء (۱۲۲۷ھ) میں زبور کے مزامیر (Psalms) کا مکمل فارسی ترجمہ کیا ہے۔ ''مزامیر'' سے مراد نغمے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ بھی قاضی نظام الدین کے فارسی ترجمۂ زبور (۱۱۵۳ھ) کے بہت بعد کا ہے۔ البتہ سولہویں صدی ہجری میں پرتگالی پادری جیروم زیویئر (Jerome Xavier) نے جو لزبن (پرتغال) سے گوا (ہند) (۹۸۹ھ مطابق ۱۵۸۱ء) میں وارد ہوا۔ اس نے زبور کے بعض حصوں کا ترجمہ ''حصہ مزامیر سلیمان'' کے نام سے کیا تھا۔ کتاب کے عنوان ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ شدہ مواد مکمل زبور نہیں ہے بلکہ وہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کے نغمہ جات پر مشتمل ہے۔ مذکورہ پادری فارسی کا بڑا عالم تھا، اس نے لاہور جاکر فارسی سیکھی اور ماہ دسمبر (۱۰۰۳ھ مطابق ۱۵۹۴ء) میں مغل دربار سے وابستہ ہو گیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناپر شہنشاہ اکبر کا تقرب حاصل کر لیا اور پھر شہنشاہ جہانگیر کے دربار سے بھی وابستہ رہا، اس نے ایک اور درباری عالم عبدالستار بن قاسم لاہوری سے مل کر کئی پرتگالی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس پادری کا انتقال ماہ جون ۱۶۱۷ء (۱۰۲۶ھ) میں ہوا۔[۲۳] مذکورہ پرتگالی پادری کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر جولیا سرور نے اپنے گراں قدر مضمون ''اردو میں بائبل کے تراجم۔ ایک مختصر سماجی ولسانی مطالعہ''، میں زبور اور انجیل کے ترجمے کا ذکر تو کیا مگر ان صحیفوں کے مکمل ترجمہ ہونے کا کوئی ثبوت

---

[۲۱]۔ ایران نامہ، ص ۷۰-۷۱۔

[۲۲]۔ حوالہ سابق، ص ۷۲۔

[۲۳]۔ سی-اے-اسٹوری C.A.Storey ''پرشین لٹریچر''، جلد اول حصۂ اول، دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ بریٹن، لندن- مطبوعہ ۱۹۷۰ء Persion Literture,Volume-I-Part-1 ص ۱۶۳۔ راقم الحروف نے مذکورہ کتاب کے ضروری صفحات کا عکس محترم پروفیسر ڈاکٹر عارف نوشاہی (پاکستان) کی عنایت سے حاصل کیا ہے، راقم آپ کا شکرگزار ہے علاوہ ازیں راقم محترمہ ڈاکٹر لیلیٰ عبدی خجستہ (تہران) کا بھی ممنون ہے کہ محترمہ نے ''ایران نامہ'' کا عکس فراہم کیا تھا۔ جزاھم اللہ خیرالجزاء۔

فراہم نہیں کیا۔[۲۴]

مذکورہ بالا تاریخی دلائل و شواہد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ۱۱۵۳ھ اور ۱۱۵۴ھ میں بزبان فارسی ترجمہ شدہ زبور و انجیل برصغیر ہند و پاک میں اولین کتابیں ہیں، جنہیں علامۂ وقت قاضی نظام الدین احمد صغیر (متوفی ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء) نے اس دور کے عوام و خواص کی تسہیل و تفہیم کے لئے تحریر کیا تھا تاکہ عیسائی مبلغین کی جعل سازی اور کذب گوئی کے جال میں عوام پھنسنے نہ پائیں اور ان کے غیر معقول اشکالات کا جواب انہیں کی کتابوں سے بآسانی دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ مصنف کی اس دینی و علمی خدمت کے لئے اپنی شان کریمی کے مطابق اجر عظیم عطا کرے، انہیں اور ان کے آبا و اجداد کے درجات کو حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل میں بلند سے بلند تر فرمائے۔

[۲۴] ۔ جولیا سرور ڈاکٹر کراچی "اردو میں بائبل کے تراجم۔ایک مختصر سماجی و لسانی مطالعہ" ماہنامہ اخبارِ اردو، اسلام آباد۔ جنوری ۲۰۲۲ء ص ۲۷۔

امام شافعی اور ان کا دبستان فقہ - ایک تعارف

ڈاکٹر محمد سراج الدین
اسسٹنٹ پروفیسر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی۔ سرینگر
01tabishmehandi@gmail.com

اہل سنت والجماعت کے موجودہ فقہی دبستانوں میں فقہ شافعی تیسرا دبستان فقہ ہے جو امام شافعی کی جانب منسوب ہے اور ان ہی کی اجتہادی فکر کا مظہر ہے، امام شافعی کو امام مالک کے شاگرد ہونے اور ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہے تو دوسری طرف وہ امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی کے بھی شاگرد ہیں، دیگر فقہی دبستانوں سے استفادہ میں بھی وہ نظر آتے ہیں، مثلاً فقیہ امام اوزاعی، امام لیث ان کے مشائخ میں ہیں۔ امام شافعی نے محدثین سے بھی کسب فیض کیا، مدینہ اور مکہ کے محدثین بالخصوص امام مالک اور سفیان بن عیینہ سے احادیث کی سماعت کی۔ اس طرح امام شافعی کے اندر فقہ اہل الرائی اور فقہ اہل الحدیث دونوں کی اہم خصوصیات جمع ہو گئی تھیں۔

امام شافعیؒ کا خاکہ: امام شافعی کا نام محمد اور والد کا نام ادریس ہے۔ سلسلۂ نسب نویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد مطلب بن عبد مناف سے مل جاتا ہے، اس نسبت سے آپ قریشی ہیں۔ امام شافعی کے پردادا کے باپ کا نام شافع ہے، اسی نسبت سے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے، اس نسبت نے اتنی شہرت حاصل کر لی کہ اصل نام پس منظر میں چلا گیا۔

امام شافعیؒ کی پیدائش فلسطین کے شہر غزہ میں ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ جائے پیدائش کے سلسلہ میں دو اقوال اور ہیں، ایک ''عسقلان'' اور دوسرا قول ''یمن'' کا ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ غزہ میں پیدا ہوئے۔[1]

امام شافعیؒ کی پیدائش ایک غریب گھرانے میں ہوئی، کم عمری ہی میں والد کی وفات ہو گئی تھی، تعلیم و تربیت کی غرض سے والدہ ان کو مکہ مکرمہ لے آئیں، چنانچہ مکہ ہی میں ان کی تعلیم و تربیت کا آغاز ہوا۔

امام شافعیؒ نے مکہ کے فقہاء و محدثین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور چند برسوں میں احادیث نبویہ کے عظیم ذخیرہ کے حافظ ہو گئے، مکہ کے جن محدثین سے آپ نے کسب فیض کیا، ان میں چند مشہور نام یہ ہیں:

---

[1]۔ ابوزہرہ محمد، الشافعی، حیاتہ وعصرہ وآراؤہ وفقہہ، دار الفکر العربی، بیروت ۱۶۷۸ء، ص ۱۴۔

سفیان بن عیینہ، مسلم بن خالد زنجی، سعید بن سالم القداح، داود بن عبدالرحمن العطار وغیرہم۔ عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے قبیلہ ہذیل میں بود و باش اختیار کی اور چند سال وہیں مقیم رہے، پھر مکہ تشریف لائے اور حدیث وفقہ میں مزید مہارت حاصل کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ کے لئے رخت سفر باندھا، مدینہ پہنچ کر امام مالک کے حلقہ درس میں داخل ہوئے اور ان سے علم حدیث وفقہ کا درس لیا، ساتھ ہی مدینہ کے دیگر محدثین سے بھی کسب فیض کیا، امام مالک سے تعلق ان کی وفات تک رہا، ان کی وفات کے بعد حصول معاش کے لیے تگ ودو شروع کی، چنانچہ نجران کے عامل کی حیثیت سے ان کا تقرر عمل میں آیا، حاسدین کو ان کی یہ قدر ومنزلت پسند نہ آئی اور ان لوگوں نے خلیفہ ہارون رشید سے شکایت کردی کہ خلیفہ کے حریف یعنی علویوں کی طرف امام شافعیؒ کا جھکاؤ ہے، امام شافعیؒ کو دربار خلافت بغداد میں طلب کیا گیا، امام شافعیؒ نے وہاں پہنچ کر اپنی صفائی پیش کی اور الزامات سے براءت کا اظہار کیا، دربار سے وابستہ دیگر افراد نے بھی سفارش کی تو آپ کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد وہ بغداد میں ہی مقیم ہوگئے اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ جو اس وقت خلافت عباسی کے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے، ان کے حلقۂ درس میں داخل ہوگئے اور ان سے عراقی فقہ اور استنباط مسائل کے عراقی منہج سے واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ اس فقہ کی کتابوں سے استفادہ کرنے لگے، امام محمدؒ اور دیگر فقہا ومحدثین عراق سے تحصیل علم کے بعد وہ حجاز تشریف لے آئے اور تقریباً نو سال حجاز میں قیام کیا اس دوران درس وتدریس میں مشغول رہے ، بہت جلد ان کے درس کا شہرہ دور دراز علاقوں تک پھیل گیا، بڑی تعداد میں لوگ آپ کے درس میں شامل ہونے لگے، حج کے موقع پر آنے والے مشائخ حدیث وفقہ سے استفادہ وافادہ کا سلسلہ بھی جاری رہا، ۱۹۵ھ میں دوبارہ بغداد تشریف لے گئے اور بغداد میں ایک الگ منہج فقہ کی بنیاد رکھی اور اپنا حلقہ درس قائم کیا، جس میں کثیر تعداد میں طلبہ نے شرکت کی، یہاں انہوں نے چند کتابیں بھی املا کرائیں، اصول فقہ کے موضوع پر ان کی کتاب ''الرسالہ'' اسی دورانیہ کی تصنیف ہے۔[۲] بغداد میں جس فقہی منہج کی بنیاد رکھی تھی اور جن آرا ومسائل کو مستنبط کیا وہ ''قدیم مذہب'' یا ''عراقی مذہب'' کے نام سے موسوم ہے، بغداد میں دو سال قیام کیا، پھر حجاز واپس تشریف لائے اور کچھ دنوں کے بعد دوبارہ بغداد تشریف لے گئے، پھر ۱۹۹ھ میں مصر تشریف لے گئے، یہاں انہوں نے اپنے مسائل وآرا اور منہج استنباط پر نظر ثانی کی اور بہت سے مسائل سے رجوع کیا، اور نئی رائیں اختیار کیں، یہ سب آرا ''قول جدید'' یا ''مذہب جدید'' کے نام سے موسوم ہیں۔ مصر

---

[۲] ۔ حوالہ سابق، ص ۲۷۔

میں انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ یہاں پہلے سے فقہ مالکی رائج تھی لیکن امام شافعیؒ کے آنے کے بعد ان کا مسلک خوب رائج ہوا اور ان کے شاگردوں کی بھی ایک بہترین جماعت تیار ہوگئی۔ مصر میں ۲۰۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔[۳]

امام شافعیؒ کے اساتذہ کرام:

امام شافعیؒ نے مکہ، مدینہ اور عراق میں قیام کے دوران جن محدثین وفقہاء سے کسب فیض کیا، ان کی تعداد بہت ہے، تاہم انیس اساتذہ وشیوخ وہ ہیں، جن سے انہوں نے خاص طور پر استفادہ کیا، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مکہ مکرمہ کے اساتذہ: ۱۔ سفیان بن عیینہ ۲۔ مسلم بن خالد زنجی ۳۔ سعید بن سالم القداح ۴۔ داود بن عبدالرحمن العطار ۵۔ عبدالحمید بن عبدالعزیز بن أبی زواد۔

مدینہ منورہ کے اساتذہ: ۱۔ مالک بن انس ۲۔ ابراہیم بن سعید انصاری ۳۔ عبدالعزیز ابن محمد الدراوری ۴۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ الأسامی ۵۔ محمد ابن ابی سعید بن ابی فدیک ۶۔ عبداللہ بن نافع الصائغ۔

یمن کے اساتذہ: ۱۔ مطرف بن مازن ۲۔ ہشام بن یوسف ۳۔ عمر بن ابی سلمۃ ۴۔ یحییٰ بن حسان۔

عراق کے اساتذہ: ۱۔ وکیع بن الجراح ۲۔ ابوأسامۃ حماد بن اسامۃ ۳۔ اسماعیل بن علیۃ ۴۔ عبدالوہاب بن عبدالحمید البصری ۵۔ محمد بن الحسن الشیبانی۔[۴]

امام شافعیؒ کے تلامذہ: امام شافعیؒ کے تلامذہ کو سوانح نگاروں نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے:

مکہ مکرمہ کے تلامذہ: ۱۔ ابو بکر حمیدی (متوفی ۲۱۹ھ) ۲۔ ابواسحاق ابراہیم بن محمد مطلبی (متوفی ۲۳۷ھ) ۳۔ ابو بکر محمد بن ادریس ۴۔ ابوالولید موسیٰ ابن ابی الجارود۔[۵]

عراق کے تلامذہ: بغداد میں قیام کے دوران جن طلبہ نے ان سے کسب فیض کیا، ان کو ''بغدادی طلبہ'' کہا جاتا

---

[۳] ۔ حوالہ سابق، ص ۲۹۔

[۴] ۔ حوالہ سابق، ص ۴۲، ۴۱۔

[۵] ۔ السلمانی ابو زکریا بن ابراہیم، منازل الائمۃ الاربعہ (تحقیق: محمود بن عبد الرحمن) الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ، ص-۲۲۸۔

ہے:۱-ابو علی الحسن الصباح الزعفرانی (متوفی:۲۶۰ھ)۲-ابو علی حسین بن علی کرابیسی (متوفی ۲۵۶ھ)۳-ابو ثور کلبی (متوفی ۲۴۰ھ)،۴-ابو عبدالرحمن احمد بن محمد بن یحییٰ اشعری۔

مصر کے تلامذہ: مصر میں جن تلامذہ نے ان سے استفادہ کیا، ان میں چند نام یہ ہیں: ۱- حرملہ بن یحییٰ بن حرملہ (متوفی: ۲۶۶ھ) ۲- ابویعقوب، یوسف بن یحییٰ بویطی (متوفی: ۲۳۱ھ)۳- ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی (متوفی: ۲۶۴ھ) ۴- محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم (متوفی: ۲۵۸ھ) ۵- ربیع بن سلیمان مرادی (متوفی: ۲۷۰ھ)۔[6]

امام شافعی کی تصانیف: ان کی متعدد کتابوں میں چند اہم درج ذیل ہیں:

احکام القرآن: امام شافعیؒ نے ''احکام القرآن'' کے نام سے مستقل ایک کتاب تصنیف کی تھی، جب امام شافعی نے اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے ''قرآن کریم'' کو سو مرتبہ پڑھا، امام بیہقی لکھتے ہیں: "لما أراد الشافعي أن يصنف أحكام القرآن قرأ القرآن مائة مرة"۔ (امام شافعیؒ نے جب احکام القرآن لکھنے کا ارادہ فرمایا، تو آپ نے قرآن کریم کو سو مرتبہ پڑھا)۔ (مناقب الشافعیؒ للبیہقی ۱/۲۴۴ بحوالہ المدخل الی مذہب الامام الشافعیؒ ۲۶۲، دارالنفائس ،اردن)۔ ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست میں امام شافعی کی تصانیف میں اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔[7] لیکن افسوس کہ یہ کتاب گردش زمانہ کی نذر ہوگئی اور اس کا ایک نسخہ بھی موجود نہیں ہے۔

البتہ ایک کتاب امام بیہقی نے ''احکام القرآن'' کے نام سے مرتب کی ہے جس میں انہوں نے امام شافعی کی جملہ تصانیف میں جہاں جہاں آیات احکام مذکور تھیں، اور ان کی تفسیر امام شافعی نے کی تھی، ان کو یکجا کر دیا۔ امام بیہقی لکھتے ہیں: "جمعت فيه أقاويل الشافعي في احكام القرآن وتفسيره في جزئين"[8] (میں نے امام شافعی کے اقوال اور ان کی تفسیر کو کتاب احکام القرآن میں جمع کر دیا ہے)۔ یہ کتاب دار القلم بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

---

[6]۔ بستوی عتیق احمد، امام محمد بن ادریس الشافعی کا سوانح خاکہ، مشمولہ، مجلہ فقہ شافعی تاریخ و تعارف۔

[7]۔ ابوالفرج الندیم محمد بن اسحاق، الفہرست، دار المعارف بیروت ۱۹۷۸ء، ج ۱، ص ۱۵۷۔

[8]۔ البیہقی احمد بن حسین بن علی ابو بکر، مناقب الشافعی (مقدمہ: شیخ محمد زاہد الکوثری)، ج ۲، ص ۳۶۸۔

احادیث کی کتابیں:

امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں جن احادیث کی روایت کی اور ان کے شاگردوں نے ان سے جن احادیث کی سماعت کی، ان سب کو احادیث کو تین مجموعوں کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے:

۱-**مسند الامام شافعی:** اس مجموعہ کے مرتب ابوالعباس اصم (متوفی ۳۴۶ھ) ہیں، اس کتاب میں اکثر وہ روایتیں ہیں جن کو امام شافعیؒ کے شاگرد امام ربیع نے اپنے استاد سے نقل کیا ہے اور وہ کتاب الاُم میں موجود ہیں، مرتب نے کتاب الام اور امام شافعیؒ کی دیگر کتب میں مذکور احادیث کو یکجا کر دیا، پہلے علامہ سندی نے فقہی ترتیب سے اس کتاب کو مرتب کیا اور علامہ یوسف عبدالرحمن المرعشلی نے علامہ سندی کی ترتیب کے مطابق اس کی فہرست تیار کی، جس کا نام ہے ''فہرس احادیث مسند الامام الشافعی بترتیب المحدث البارع محمد عابد سندی''، اس کتاب میں عبادات سے متعلق ۱۰۱۲، اور معاملات سے متعلق ۷۰۹، احادیث ہیں اور ۱۱۹۰، مکررات ہیں، جن کو حذف کر کے ۸۲۰ مرفوع اور ۱۲۰۰، مرسل و منقطع احادیث ہیں۔[9]

۲-**معرفۃ السنن والآثار:** امام شافعیؒ نے جن احادیث سے مسائل مستنبط کئے ہیں، امام بیہقیؒ نے ان کو فقہی ابواب کی ترتیب سے مرتب کیا ہے، نیز ان کی سند پر گفتگو بھی کی ہے، امام بیہقیؒ ان احادیث کو امام شافعیؒ کی سند سے بیان کرتے ہیں اور پھر ان کو خود اپنی سند سے نقل کرتے ہیں۔ یہ مجموعہ سید کسروی حسن اور دکتور عبدالمعطی امین قلعجی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

۳-**کتاب السنن:** اس کتاب میں امام ابوجعفر طحاوی نے امام شافعیؒ سے مروی احادیث اور آثار صحابہ کو جمع کیا ہے، اس کتاب کی حدیثیں اور مسند امام شافعیؒ میں مذکور احادیث یکساں ہیں، البتہ سند کا فرق ہے، غالباً اسی لیے شیخ احمد بن عبدالرحمن ساعاتی نے ان دونوں کتابوں کو یکجا کر دیا ہے، اور اس کا نام "بدائع المنن فی جمع وترتیب مسند الشافعی والسنن" رکھا ہے اور اس کی شرح بھی "القول الحسن فی شرح بدائع المنن" کے نام سے لکھی ہے۔[10] یہ

---

[9]۔ الکوثری، محمد زاہد، مسند الامام الشافعی، بحوالہ امام شافعی بحیثیت محدث، مشمولہ فقہ شافعی، تاریخ وتعارف، ایفا پبلی کیشنز، جامعہ نگر دہلی، ص ۱۳۵۔

[10]۔ حوالہ سابق، ص ۱۳۵۔

کتاب عبدالمعطی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

اصول فقہ اور فقہ کے موضوع پر کتابیں:

الرسالۃ: امام شافعی کی کتاب ''الرسالۃ'' اصول فقہ کی بنیادی کتابوں میں سے ہے، اصول فقہ کے موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے، حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے: " اول من صنف فیہ الامام الشافعی "۔[۱۱]

اس بات میں اختلاف رائے ہے کہ امام شافعیؒ نے الرسالہ مکہ کے قیام کے زمانہ میں لکھا یا بغداد میں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ امام شافعیؒ نے مصر میں قیام کے زمانہ میں الرسالہ پر نظر ثانی کی، اس لیے بعض لوگوں نے دونوں جگہ کی تالیف کو الگ الگ ناموں سے بھی شمار کیا ہے، یعنی ''الرسالۃ القدیمۃ'' اور ''الرسالۃ الجدیدۃ'' اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ الرسالہ امام شافعیؒ کی باضابطہ تالیف ہے یا املا ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ یہ مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ املا ہے اور امام شافعیؒ نے اپنے شاگرد ربیع بن سلیمان کو یہ کتاب املا کرائی تھی۔ الرسالہ کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، سب سے محقق اور صحیح ترین نسخہ وہ ہے جس کو شیخ احمد شاکر کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ المکتبۃ العلمیہ (بیروت، لبنان) نے شائع کیا ہے۔

کتاب الأم: کتاب الام امام شافعیؒ کی آخری کتاب ہے، ایک رائے یہ ہے کہ یہ عراق کے قیام کے زمانہ میں ''الحجۃ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ مصر آنے کے بعد اس پر نظر ثانی کی اور حذف و اضافہ کیا اور اس کا نام ''المبسوط'' رکھا، اسی کتاب کو ''الأم'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ بھی رائے ہے کہ ''الأم'' ان کی تالیف نہیں ہے، بلکہ ان کے شاگرد ابویعقوب بویطیؒ کی کتاب ہے، تاہم محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ خود امام شافعیؒ کی تالیف ہے، البتہ بعد میں ان کے شاگردوں نے اس میں بعض تلامذہ کی رایوں کو بھی اس میں شامل کر دیا۔ کتاب الام کو مختلف اداروں نے تحقیق و تعلیق کے ساتھ شائع کیا ہے۔ مکتبہ دار الوفا سے یہ گیارہ جلدوں میں اور دار الکتب العلمیہ بیروت سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔[۱۲]

---

[۱۱] حاجی خلیفہ، مصطفی بن عبداللہ، کاتب چلپی، کشف الظنون، مکتبہ المثنی بغداد ۱۹۴۱ء، ج ۱، ص ۸۱۔ بستوی، عتیق احمد، الرسالہ پر ایک تحقیقی نظر مشمولہ فقہ شافعی تاریخ و تعارف، ایفا پبلیکیشنز، جامعہ نگر دہلی۔

[۱۲] صدیقی، محمد یسین مظہر، کتاب الام تاریخ وتعارف مشمولہ فقہ شافعی تاریخ وتعارف، ایفا پبلی کیشنز، جامعہ نگر دہلی۔

مسلک شافعی کے خصائص وامتیازات:

فقہ شافعی کے بعض امتیازات حسب ذیل ہیں:

۱- **اختلافی مسائل میں احتیاط کا پہلو:** جن مسائل واحکام میں فقہا کے درمیان اختلاف رائے ہے، ان میں اختلاف سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے ایسی رائے اختیار کرنا جس پر تمام ائمہ کے مطابق عمل ہوسکے، اسی کو امام جلال الدین سیوطی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: "الخروج من الخلاف مستحب"۔[۱۳] (فقہاء کے اختلاف سے نکلنا مستحب ہے)۔

۲- **اختلافی مسائل میں وسعت نظر:** جن مسائل میں ائمہ مجتہدین کے درمیان جواز وعدم جواز کا اختلاف ہے، فقہ شافعی میں ان مسائل میں توسع ہے، فقہ شافعی میں یہ اصول ہے کہ "نہی عن المنکر" کے دائرہ میں وہی مسائل آئیں گے جن کے عدم جواز پر تمام فقہا کا اتفاق ہو، جن مسائل میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے، وہ نہی عن المنکر کے دائرے سے باہر ہوں گے۔ الا یہ کہ وہ اختلاف بعید از قیاس ہو۔[۱۴]

۳- **معصیت میں تنگی:** شریعت کے وہ احکام جن میں عوارض کی وجہ سے سہولتیں ملتی ہیں ان کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اگر وہ عوارض گناہ پر مشتمل ہوں، تو یہ سہولت نہیں ملے گی، مثلاً سفر میں مسافر کو جو سہولتیں ملتی ہیں جیسے نماز قصر کرنے کی سہولت، رمضان کے مہینہ میں روزہ کے بجائے افطار کی اجازت، خفین پر تین دن تک مسح کرنے کی اجازت وغیرہ، اگر کوئی شخص کسی گناہ کے ارادے سے سفر پر نکلا تو اس کو یہ سہولتیں نہیں ملیں گی۔ ان کا یہ قاعدہ ہے: "الرخص لا تناط بالمعاصی"۔[۱۵] (رخصتیں گناہ کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاسکتیں)۔

۴- **احکام حج میں سہولت:** فقہ شافعی میں حج میں سہولت اور آسانی کا خاص خیال رکھا گیا ہے، مثلاً حاجی دسویں ذی الحجہ کی شب ہی میں مزدلفہ سے منیٰ جاسکتا ہے، دسویں ذی الحجہ کے اعمال، رمی، ذبح اور حلق کے درمیان ترتیب حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، شافعیہ کے نزدیک ان اعمال کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے۔

موجودہ دور میں ازدحام کی وجہ سے حنفی مسلک پر عمل کرنے کی وجہ سے حاجیوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے آج کے اکثر حنفی علماء میں مسلک شافعی کو ترجیح دینے کا رجحان ہے۔

۵- **معاشرتی مسائل میں مصالح کی رعایت:** معاشرتی مسائل خصوصاً نکاح اور طلاق کے باب میں زوجین کے

---

[۱۳]۔ السیوطی، عبدالرحمن بن ابو بکر، الاشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۰۳ھ، ج۱، ص۱۳۶۔

[۱۴]۔ حوالہ سابق، ص: ۱۵۸۔

[۱۵]۔ حوالہ سابق، ص: ۱۳۸۔

مصالح کی خصوصی رعایت بھی قابل ذکر ہے، مثلاً اگر کسی عورت کا شوہر تنگ دست ہو، بیوی کے اخراجات ادا کرنے پر قادر نہ ہو، تو اس عورت کو اختیار ہے کہ وہ شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے، بلکہ بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں بیوی کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اوپر خود طلاق واقع کر لے، اسی طرح شادی کے بعد اگر شوہر میں کوئی عیب مثلاً پاگل پن یا کوڑھ وغیرہ کا مرض ہو جائے تو عورت شوہر سے طلاق یا قاضی سے فسخِ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے۔[۱۶]

مسلک شافعی کی اہم کتابوں کا تعارف: شافعی مسلک کی چند اہم کتابوں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے جن پر فقہ شافعی کی بنیاد ہے:

۱- **مختصر المزنی:** یہ کتاب ابوابراہیم، اسماعیل بن یحییٰ المزنی (متوفی: ۲۶۴ھ) کی تالیف ہے، صاحب کتاب امام شافعی کے شاگرد ہیں، انہوں نے اس کتاب میں امام شافعی کے افادات کو جمع کیا ہے، ایک جلد دار المعرفہ بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

۲- **المہذب:** یہ کتاب مشہور شافعی فقیہ ابراہیم بن علی بن یوسف، ابواسحاق شیرازی (متوفی ۴۷۶ھ) کی تالیف ہے، چوتھی صدی ہجری سے پانچویں صدی ہجری کے نصف تک فقہ شافعی میں جتنے مسائل مستنبط کئے گئے تھے، وہ تمام مسائل اس کتاب میں مذکور ہیں، ڈاکٹر محمد الزحیلی کی تحقیق کے ساتھ ۶ جلدوں میں دارالعلم دمشق اور الدار الشامیۃ، بیروت کے اشتراک سے شائع ہو چکی ہے۔[۱۷]

۳- **الحادی الکبیر فی فقہ الامام الشافعی:** یہ کتاب ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی (متوفی: ۴۵۰ھ) کی تالیف ہے، جو مختصر المزنی کی مفصل شرح ہے، شیخ علی محمد معوض اور شیخ عادل احمد عبدالموجود کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۱۹ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۴- **منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین فی الفقہ:** اس کتاب کے مؤلف محی الدین یحییٰ بن شرف النووی (متوفی: ۶۷۶ھ) ہیں، یہ کتاب امام شافعی کی کتاب "المحرر" کا اختصار ہے، مختصر ہونے کے باوجود، فقہ شافعی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے، اور اس کی متعدد لوگوں نے شروح و حواشی لکھی ہیں۔ عوض قاسم احمد عوض کی تحقیق کے ساتھ دار الفکر بیروت سے ایک جلد میں شائع ہو چکی ہے۔

۵- **المجموع شرح المہذب:** اس کتاب کے مؤلف محی الدین یحییٰ بن شرف نووی (متوفی ۶۷۶ھ) ہیں، یہ کتاب "المہذب" کی شرح ہے، امام نووی نے "باب الربا" تک شرح لکھی، ان کے انتقال کے بعد شیخ

---

[۱۶]۔ النووی، المجموع شرح المہذب، دار الفکر بیروت ۱۹۹۸ء، ج ۸، ص ۱۳۵۔

[۱۷]۔ فرید احمد بن حسین، فقہ شافعی کی اولیات وخصوصیات مشمولہ مجلہ فقہ شافعی، ایفا پبلی کیشنز، دہلی، ۲۰۱۴ء۔

تقی الدین السبکی (متوفی ۷۵۶ھ) نے اس کی شرح لکھنی شروع کی، لیکن مکمل نہیں کر سکے، تو شیخ محمد نجیب المطیعی نے اس کو مکمل کیا۔ یہ کتاب ۲۲ جلدوں میں ڈاکٹر محمود مطرجی کی تحقیق کے ساتھ دار الفکر بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

۶- **تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج:** اس کتاب کے مؤلف ابوالعباس، احمد بن محمد بن حجر ہیثمی (متوفی ۹۷۴ھ) ہیں، یہ کتاب امام نووی کی منہاج الطالبین کی شرح ہے۔ داراحیاء التراث العربی، بیروت سے ۱۰ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

۷- **مغنی المحتاج إلی معرفۃ معانی ألفاظ المنہاج:** اس کتاب کے مؤلف شمس الدین محمد بن احمد خطیب شربینی (متوفی ۹۷۷ھ) ہیں، یہ کتاب منہاج الطالبین کی شرح ہے۔ دار الکتب العلمیہ بیروت سے ۶ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

۸- **نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج:** اس کتاب کے مؤلف شمس الدین محمد بن ابوالعباس الرملی (متوفی ۱۰۰۴ھ) ہیں، یہ کتاب بھی منہاج الطالبین کی شرح ہے، ۸ جلدوں میں داراحیاء التراث العربی، بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں معاشرتی نظام کا ایک جائزہ

ڈاکٹر علی محمد بٹ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز،

اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اونتی پورہ ۱۲۹۱۲۲، جموں اینڈ کشمیر

alimohd1265@gmail.com

جب بھی کسی معاشرے پر انسان تحقیق شروع کرتا ہے تو پہلے اُس معاشرے کے خاندانی زندگی کا راز معلوم کرنا لازمی بن جاتا ہے۔ اُس کے خاندانوں کی بنیاد کن اصولوں پر رکھی گئی اور اُن کی تربیت کے مآخذ کیا ہیں تاکہ صحیح نتائج حاصل ہو سکیں۔ قوم کی اکائی اسلام کے مطابق خاندانی نصب العین اور اُس کے اصول و ضوابط پر منحصر ہوتی ہیں۔ اس کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ (شوال ۱۱۱۴ھ ، فروری ۱۷۰۳ھ — محرم ۱۱۷۶ء اگست ۱۷۶۲) نے عمدہ بحث کی ہے۔ آپؒ کا ذاتی نام ولی اللہ ابو الفیاض قطب الدین احمد بن معظم العمری الدہلوی تھا۔

شاہ ولی اللہ کا ماننا ہے کہ ایک ترقی یافتہ سماج کی مضبوط بنیاد خاندان ہی فراہم کرتا ہے کیونکہ خاندان سماجی زندگی کی اکائی ہے۔ خاندان، معاشرے کا سب سے بنیادی عنصر ہے جو انسانوں کو ایک اکائی میں جوڑ کر ایک گھر اور پھر ایک خاندان میں استوار کر دیتا ہے۔ سماجی ڈھانچے میں خاندان کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اسی سے معاشرے وجود میں آتے ہیں اور خاندان کی اکائی جتنا زیادہ مضبوط اور پائیدار ہو گی اُتنا ہی زیادہ معاشرہ اور معاشرے سے وجود میں آنے والی ریاستیں مضبوط اور مستحکم ہوں گی۔ خاندان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خاندان کی بقاء اور تحفظ کیلئے اسلام نے واضح اصول قائم کئے ہیں۔ اس لئے اسلامی تعلیمات کا ایک مکمل شعبہ اسلام کے عائلی نظام سے موسوم ہے۔ ”الأسرة“ خاندان کیلئے مستعمل عربی لفظ ہے۔ الموسوعۃ الفقھیۃ (کویت) میں ”أسرة“ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

انسانی خاندان، اس کی آل اولاد اور باپ کی طرف سے قریبی رشتے داروں کو کہا جاتا ہے۔ اسرة ”اسر“ سے ماخوذ ہے اور اسر قوت کو کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ نام اس لیے پڑا کہ انسان اپنی آل و اولاد کے

ذریعے سے قوت محسوس کرتا ہے اوراس کے علاوہ آدمی کو اپنے گھر والوں کی گزر بسر کے انتظام کو بھی "اسرہ" کہتے ہیں[1]

خاندان خونی رشتوں پر مشتمل ایک گروہ ہے جو کہ ایک دوسرے سے جڑا ہوتا ہے۔ اس میں میاں، بیوی، ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن اور اسی طرح کے اور خونی رشتے شامل ہیں۔ یہی رشتہ پھل پھول کر معاشرے کی بنیاد فراہم کر کے ایک ریاست تشکیل دیتا ہے۔ جس طرح خاندانوں کے مفاد مشترک ہوتے ہیں اسی طرح معاشرے، ریاست اور تمام گروہوں کے مفادات بھی مشترک ہوتے ہیں۔ ہر گروہ ان مفادات کے علاوہ اپنے ممبران کو جذباتی، سماجی اور معاشرتی تحفظ بھی دیتا ہے۔ گروہ کے تمام ممبران مل کر خاندان، معاشرہ اور ریاست کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہیں[2]۔ اللہ تعالی نے دنیا کی کسی بھی مخلوق کو اکیلا پیدا نہیں کیا۔ اس لئے آدم اور حوا علیہما السلام کا جوڑا پیدا کر کے ایک سماج کی بنیاد ڈال دی اور اس تخلیق کو خلیفۃ الارض کے لقب سے نوازا ہے تا کہ دونوں ساتھ رہ کر بوقت ضرورت ایک دوسرے کے کام آئیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ [سورہ روم: آیت: ۲۱] (اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے جوڑے پیدا کئے تا کہ اُن کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔)[3]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اسلام کے لئے لفظ "دین" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ کیونکہ اصل دین وہی ہوتا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے حوالے سے جامع رہنمائی عطا کرتا ہے اور وہی دین دوسرے

---

[1]۔ الموسوعۃ الفقہیۃ، وزارۃ الاوقات والشوؤن الاسلامیۃ، کویت، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷ھ، ص ۲۲۳/۴؛ تاج العروس، محمد مرتضیٰ الزبیدی، دارالفکر بیروت، ۱۹۹۴ء ص۔ ۱۳/۳

[2]۔ انڈس جرنل آف مینجمنٹ اینڈ سوشل سائنس (Indus Journal of Management and Social Science)، اسپرنگ ۲۰۰۸، جلد ۲۹/۲۔ ۴۹۔

[3]۔ سورہ روم: ۲۱، ابوالاعلی مودودی اس بارے میں فرماتے ہیں "اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہے اُن لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں"، تفہیم القرآن جلد ۳، ص ۷۴۳۔

ادیان پر غالب آسکتا ہے جو جامع صفات کا حامل ہوتا ہے۔ ان جامع اور مدلل تعلیمات کی بنیاد پر اسلام تمام مذاہب پر فوقیت رکھتا ہے اور خاندانی، معاشرتی اور ملکی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اس خاندانی اور معاشرتی ارتقاء کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بقاو ترقی کے لئے خصوصی الہامات اور طبیعت کے واضح اسرار ورموز پیوست کر دیے ہیں۔ اس لئے انسان ہر وقت خوشی کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ ظرافت، لطافت اور نفاست پیدا کر کے لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس مقصد کو پانے کے لئے وہ خوبصورت بیوی، لذیذ غذا، بہترین لباس، بلند و بالا ایوان اور محل کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ روحانی اور جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کوشش میں لگا رہتا ہے اور اس کو پانے کے لئے کوہ و بیابان میں تحقیق و تدابیر میں لگا رہتا ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں، وہ بھوک و افلاس اور فاقہ میں بھی بھر پور کوشش و محنت کرتا ہے۔ اسی محنت و جدوجہد کی بنیاد پر قریہ، قصبہ اور شہر کے تمام باشندے مل کر قوم کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد قوموں کے مفاد، حرص کی شکل اختیار کر کے جنگ و جدال شروع کر دیتے ہیں۔ جنگوں کے ہونے سے بے حساب زر و مال اور قوت ضائع ہوتے ہیں۔ ان مصائب سے بچنے کے لئے خُدا نے احکام نازل کئے تا کہ صالح خاندانوں سے وجود میں آنے والی قوموں میں توازن قائم رہ سکے۔[۴]

شاہ ولی اللہ نے بغور احکام الٰہی کا مطالعہ کر کے خانگی اصول تحریر کئے ہیں تا کہ ہر قوم ایک صالح اکائی کی حیثیت سے اُبھر سکے۔ جو اصول شاہ ولی اللہ نے منضبط کئے ہیں وہ بہت اہم ہیں۔ اُن کو گھر سے لے کر ایک معاشرہ اور پھر ریاست کو پائیدار بنانے کے لئے بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ گروہی احساس پیدا کرنے میں سنگ میل اور اتحاد و اتفاق کے لئے نا گزیر ہے۔ اس لئے اُن کا ماننا ہے کہ خانگی نظام کی بنیادیں چار اجزا مشتمل ہیں:

۱۔ نکاح یعنی مرد و عورت کا جائز و قانونی طریقے سے ایک ساتھ رہنا۔

۲۔ اولاد کی تربیت اور اُن کی بہتر پرورش۔

۳۔ ملکیت جو اولاد اور خاندانی وقار کے لئے بہت اہم ہے۔

---

[۴] ۔ فخری، سید رضی الدین احمد، تلخیص حجۃ اللہ البالغۃ، دار الاشاعت دہلی، ۱۹۹۵، ص۔ ۴۳

۴۔ باہمی محبت اور معاشرتی ہمدردی۔

علاوہ ازیں وہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

گھر صرف چار دیواری، دروازے اور کھڑکیوں کا نام نہیں بلکہ گھر تو ان گہرے اور پائدار تعلقات کا نام ہے جو ایک چھوٹی سی جگہ میں رہنے کے سبب سے چند لوگوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔[۵]

شاہ ولی اللہ کے بیان کردہ چار اجزاء کے مطابق خانگی یا عائلی نظام کی بنیادوں اور اس کے اصولوں کو اپنا کر ایک خاندان یا معاشرہ کے بعد ایک ریاست قائم ہوتی ہے۔ اس کی مضبوط بنیاد اسلامی طرز عمل سے ہونے والے نکاح سے ثابت ہوتی ہے۔ اس میں چند لوگوں کا ملنا اور ایک دوسرے سے متحد ہونا اور اس کے ذریعے پیدا ہونے والی اولاد، گھر سے مراد ملکیت وجود میں آتی ہے۔ کیونکہ انسان معاشرت پسند ہے، وہ معاشرہ کے تعاون کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔ اسے دوسرے لوگوں کی ضرورت کسی نہ کسی صورت میں پڑتی رہتی ہے اس لیے بہت سے افراد مل کر خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں اور انھی خاندانوں کی بدولت سماج وجود میں آتے ہیں۔ شاہ صاحب کی تعلیمات کی روشنی میں ایک خوبصورت، پر سکون اور مثالی خاندان تبھی معرض وجود میں آسکتا ہے جب اس کی تشکیل کے لیے مندرجہ ذیل اہم پہلوؤں کا خیال رکھا گیا ہو۔ وہ اہم پہلو یہ ہیں:

۱۔ نکاح کی حیثیت و مقصد
۲۔ محرمات کا تصور
۳۔ ایک سے زیادہ شادیوں کا مسئلہ
۴۔ گھر کا سربراہ اور اس کی حیثیت
۵۔ عورت کا اصل مقام
۶۔ میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے باعث سکون و اطمینان
۷۔ مرد اور عورت کے حقوق و فرائض
۸۔ اولاد کے حقوق و فرائض
۹۔ گھر چلانے کے لیے باہمی تعاون کی ضرورت و اہمیت
۱۰۔ خانگی جھگڑوں کا فیصلہ
۱۱۔ مفاہمت اور صلح کی کوشش

---

[۵]۔ عبید اللہ سندھی، شرح حجۃ اللہ البالغۃ، حکمت قرآن انسٹیٹیوٹ کراچی، ۲۰۱۰، ص۔ ۲۶۲

۱۲۔ نکاح کی استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے تاکہ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کر سکے

۱۳۔ طلاق، خلع، عدت[6]

۱۴۔ صلہ رحمی و قرابت داری: شاہ ولی اللہ کے مطابق خانگی زندگی کے نظام میں سب سے پہلی اور بنیادی شرط نکاح ہے۔ اس کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں: فصل ما بين الحلال و الحرام الصوت و الدف فی النكاح[7] (حلال اور حرام میں یہی فرق ہے کہ نکاح میں آواز اور دف ہے)۔

ایک اور جگہ فرمایا: اعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا بالدفوف۔[8] (اس نکاح کا اعلان کرو اور یہ مسجدوں میں کیا کرو اور اس پر دف بجایا کرو)۔

اسی لیے شاہ صاحب نکاح کا ایک مقصد بذات خود ایک معاہدہ قرار دیتے ہیں اس کے نتیجے میں مرد و عورت گھر کی چار دیواری میں اپنی عزت کی حفاظت کرتے ہوئے ہر طرح سے ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس طرح ایک خاندان کا آغاز ہوتا ہے جو صلہ رحمی اور انصاف کی ضمانت دیتا ہے۔[9]

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> نکاح محرمات کی طرف رغبت کو روکنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ اگر ہر وقت گھر میں محرمات کا میل جول رہتا ہے تو اس سے خانگی معاشرت میں فساد پھیل جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں ماں، بہن اور بیٹی کو محرمات قرار دیا گیا ہے اور ان سے نکاح نہ کرنا معاشرتِ انسانی کا مسلمہ اصول ہے۔[10]

لیکن عصر حاضر میں ان تعلیمات کو ایک طرف چھوڑ کر آزادانہ میل جول کو فروغ دیا جاتا ہے جو سماج میں ایک ناسور کی طرح پھیل گیا ہے۔ اسی لئے اسلام نے مرد اور عورت کے تعلقات کی درستی اور اصلاح پر بہت زیادہ

---

[6]۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مترجم مولانا ابو یحیٰ، فقہ حضرت عمر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، طبع دوم، ۱۹۶۰ء، ص۔ ۱۷۲

[7]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح البخاری۔ دار السلام ریاض۔ طبع دوم۔ ۱۹۹۹۔ کتاب النکاح

[8]۔ خلیل احمد بن مولانا سراج احمد، کتاب السنت حجۃ اللہ البالغۃ، کتب خانہ شانِ اسلام، راحت مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۰، ص۔ ۴۹۵

[9]۔ سندھی، عبید اللہ، شرح حجۃ اللہ البالغۃ، ص۔ ۲۶۳

[10]۔ سندھی، عبید اللہ، شرح حجۃ اللہ البالغۃ، ص۔ ۲۶۴

زور دیا ہے تاکہ مسلم معاشرہ ہر قسم کی افراط و تفریط اور ہر قسم کے نقائص سے پاک رہ کر فطرت کے اصولوں کے مطابق نشو و نما پاتا رہے۔

مولانا شہاب الدین ندوی کامیاب ازدواجی زندگی کے راز کے بارے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے موقف کو سراہتے ہوئے اُن کی کتاب ''حقوق زوجیت'' کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میاں بیوی کے بندھن کی بنیاد جان لو یہ بندھن تمام خاندانی روابط میں سب سے بڑا، سب سے زیادہ نفع بخش اور سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہے۔ کیوں کہ تمام لوگوں میں خواہ وہ عرب کے ہوں یا عجم کے، سب میں یہی دستور ہے کہ تمدنی معاملات میں انہیں ہمیشہ عورت کی رفاقت واستعانت کی ضرورت لاحق رہتی ہے۔ ہر مسلمان مرد اور عورت کی کوشش یہی ہونی چاہیے کہ وہ خدا کی حکم عدولی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کرے بلکہ ایک دوسرے کے حقوق پورے خلوص اور مروت کے ساتھ ادا کر کے اپنی دنیا و آخرت دونوں کو سنوارنے کی جد وجہد کرے۔[11]

شاہ صاحب نے سورہ نساء کی آیت ۳ میں مرد کو تلقین کی گئی کہ وہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کریں ماسوا ا گروہ انصافی کے شکار نہ ہو جائیں، کیونکہ اللہ کو ناانصافی پسند نہیں ہے۔اس لئے مرد کے صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی پسند کی دو دو، تین تین، چار چار عورتوں سے نکاح کریں۔اسی کے ساتھ مردوں کو قوامیت کے حقوق حاصل ہیں اور انھیں یہ ذمہ داری دی گئی کہ وہ اُن پر خرچ کریں کیونکہ عورت کا اصل مقام گھر ہے جہاں وہ مرد کے تحفظات کی نگرانی کرتی ہے۔[12]

دین اسلام نے مرد و عورت کو برابر کے حقوق فراہم کئے ہیں اور یہ مساوی حقوق ایک دوسرے کے لئے فرض بن جاتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کا ماننا ہے کہ یہ فطری تقاضا ہے کہ عورت اور مرد کی زندگی کسی بھی قسم کی آوارگی سے پاک ہو جو بغیر نکاح ممکن نہیں ہے تاکہ ان کی عزت، عفت اور وقار خاندان میں برقرار رہے اور دونوں مرد و عورت ایک دوسرے کے لئے خوشی کا باعث بنے رہیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نکاح، منگنی اور مہر و رخصتی وغیرہ اہم ہیں[13]۔

---

[11]۔ ماہنامہ عبقری، لاہور، نومبر ۲۰۰۷ء۔

[12]۔ سورۃ النساء ۳

[13]۔ رضی الدین احمد فخری، تلخیص حجۃ اللہ البالغہ، ص۔۴۵

اولاد کے حقوق کے بارے میں شاہ ولی اللہ سُنت رسول[۱۴] کا حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ اولاد کا حق ہے کہ مرد ایک نیک سیرت عورت سے نکاح کرے جو زیادہ محبت کرنے والی ہو[۱۵] تاکہ اولاد کی پرورش صحیح طور سے کرسکے۔ اولاد کی پرورش کے لئے بنیادی ضرورت، مرد اور عورت میں جھگڑالو مزاج کا نہ ہونا ہے ورنہ اولاد کے سیرت و کردار پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ جب اولاد بلوغت کو پہنچے تو اُس کی شادی بیاہ کے معاملات اُس سے مشورہ کرکے اُس کی خوشی کے مطابق طے کئے جائیں[۱۶]۔ اس طرح کے نکاح میں شکایتیں کم ہوتی ہیں اور میاں بیوی کے تعلقات مضبوط اور استوار ہوتے ہیں۔ میاں بیوی کے آپس کے تعاون سے چلنے والے اس گھر کو شاہ ولی اللہ ''خانہ داری'' کا نام دیتے ہیں[۱۷]۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ اِن کے درمیان کسی بات پر اختلاف رائے نہ ہو۔ اس صورتحال میں ڈانٹ ڈپٹ کے بدلے اعتماد اور بھروسہ اہم ہے کیونکہ موافقت کی کوشش سے اعتماد پیدا ہوجاتا ہے اور افہام و تفہیم کے ساتھ اصلاح کی کوشش جاری رکھنا ضروری ہے۔[۱۸]

خاندانی زندگی میں سب سے بڑا مسئلہ میاں بیوی کی نابرابری اور ناچاقی ہے جو دونوں کو برباد کردیتی ہے۔ اس نابرابری اور اَنا سے کبھی کبھی زوجین کے تعلقات اتنے خراب ہو جاتے ہیں کہ ان کے درمیان نباہ کا کوئی امکان باقی نہیں رہ جاتا اور اس کی وجہ سے خانگی امن و سلامتی سخت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں طلاق کے ذریعہ امن کی فضا کو بحال رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاہم اسلام زوجین کے اس مقدس قلعہ کو بیک جنبش لب ڈھانے اور اس روشن چراغ کو شوہر کی محض ایک پھونک سے بجھانے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ وہ اس عظیم رشتے کو مضبوطی سے تھامے رکھنے اور نامساعد حالات میں بھی صبر کے ساتھ اسے ٹوٹنے سے ہر ممکن طور سے بچانے کا حکم دیتا ہے۔ وہ مردوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُواْ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (نساء:۱۹) (اور ان کے ساتھ معقول طریقے کا برتاؤ کرو۔ اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو بعید نہیں کہ ایک چیز کو تم ناپسند کرو اور اللہ تمہارے لیے اس میں بڑی بہتری پیدا کرے)۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بیوی کی برائیوں کے مقابلہ میں اچھائیوں

---

[۱۴]۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب النکاح

[۱۵]۔ خلیل احمد بن مولانا سراج احمد، مترجم کتاب السنت حجۃ اللہ البالغہ، ص۔۴۹۸

[۱۶]۔ سندھی، شرح حجۃ اللہ البالغہ، ص۔۲۶۵

[۱۷]۔ ماخذ سابق، ص۔۲۶۶

[۱۸]۔ ماخذ سابق، ص۔۲۶۶

اور عیوب کے مقابلہ میں اس کی خوبیوں پر نظر رکھنی چاہئے: لا یفرک مومن مومنۃً إن سخط منہا خلقا رضی منہا غیرہ[۱۹] (کوئی مومن (شوہر) کسی مومنہ (بیوی) سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی ایک خصلت ناپسندیدہ ہوگی تو دوسری خصلت پسندیدہ ہوگی۔

مرد کے لیے شادی شدہ ہونے کے باوجود بیوی سے نفرت و بیگانگی کے باعث پاکیزہ زندگی گزارنا، ایک زبردست چیلنج ہوتا ہے اور گھر میں اسے سکون ملنے کے بجائے شدید کرب و اضطراب سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور بیوی کا، جسے اس کے شوہر نے اپنے دل سے نکال پھینکا ہے اور عملی طور پر اسے طلاق دے چکا ہے، اسی کے گھر میں رہنا اور شوہر ہوتے ہوئے بے شوہر کی زندگی گزارنا آسان بات نہیں ہوتی کیوں کہ اس صورت میں وہ شدید گھٹن اور مستقل اعصابی تناؤ میں مبتلا رہتی ہے۔ ایسے حالات میں جب اسلام دونوں کو طلاق کے ذریعہ آزادی دیتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اور پھر نئے سرے سے خانگی زندگی کا آغاز کریں تو بلاشبہ یہ دونوں کے لیے رحمت اور امن کی نوید ہے۔ لیکن رجوع کے معاملے میں ایک عورت جب کسی دوسرے سے اس نیت سے بیاہ میں جاتی ہے کہ وہ طلاق حاصل کرکے پہلے والے شوہر کے لئے حلال ہو جائے تو رسول اللہ نے ایسا طرز عمل اختیار کرنے والے زوجین پر لعنت بھیجی ہے۔[۲۰]

اسلام نے جس جائز چیز کو ناپسند کیا وہ طلاق ہے کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ بعد از طلاق جدا ہونے والے شوہر و زن ایک دوسرے کے قریب آنا چاہتے ہیں مگر اُس سے پہلے اُنہوں اپنے لئے ایک گہرا کھڈا کھودا ہوا ہوتا ہے کہ واپسی کا امکان ناممکن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جس صبر کی تلقین کی اس کا مزہ جُدائی کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ انسان صبر نہ کرنے کی وجہ سے نفسانی کنٹرول کھو بیٹھتا ہے اور جب اسے ہوش آتا ہے تو وہ کوسوں دور پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام باہوش انسانوں کو تلقین کرتا ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[۲۱]

---

[۱۹]۔ حافظ المنذری، مختصر صحیح مسلم، جلد۔ ۲، ص۔ ۱۶۹

[۲۰]۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، جلد: ۲، ص۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵

[۲۱]۔ سورۃ البقرہ؛ آیت: ۴۵، ۱۵۵، ۱۵۳: تفسیر: انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں راحت کی یا تکلیف کی، دونوں میں مومن اللہ کا دامن نہیں چھوڑتا ہے وہ راحت میں اللہ کا شکر بجالاتا ہے اور تکلیف (خانگی جھگڑوں میں جب طلاق کی نوبت آتی ہے) میں صبر اور اللہ کی تائید و نصرت کا طلب گار ہوتا ہے اور بُرے کام کو ترک کرکے اللہ کے بھروسے زندگی گزارتا ہے۔

خانگی معاملات میں شوہر کو فوقیت حاصل ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیرت مند، باہمت، بامروّت، زورآور اور مقابلہ کرنے والا بنایا ہے۔ یہ اہمیت ظلم اور طاقت کے بے جا استعمال کرنے کے لئے نہیں بلکہ عقل مندی سے استعمال کرنے کے لئے ہے۔ تمام تر قوت جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کی ہے اگر وہ اُس کو اپنے اہل و عیال کی پرورش پر احسن طریقے سے صرف کرے تو اس کے نتائج بہت عمدہ ہوں گے کیونکہ مرد و زن کی باہمی شفقت سے خانگی امور میں چاشنی اور محبت پیدا ہوتی ہے اور یہی اولاد کی پرورش میں کارآمد ثابت ہوتی ہے کیونکہ صحیح تربیت ہی اولاد کو بحیثیت ایک ذمہ دار شہری کھڑا ہونے میں معاون ہوتی ہے۔ عورت کی زندگی بغیر مرد گرچہ ناتمام ہے مگر مرد بھی عورت کی رفاقت اور اُس کی احتیاج نہ حاصل ہونے سے نامکمل ہے۔[۲۲]

اسلام نے عائلی زندگی کا مقصد، مفہوم اور حیثیت واضح کر کے اخلاقی دنیا میں ایک انقلابی قدم اٹھایا۔ سب سے پہلے انسان کو اس تعلق کا مقصد اور مقام سمجھایا تاکہ وہ اسے کوئی عمومی رشتہ تصور نہ کرے۔ اس کے خصوصی مقام و مرتبہ کو سمجھتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں ادا کرے تاکہ اس نظام کے قیام کے مقصد کا حصول اسے معلوم ہو سکے۔ اس نے اس رشتے کی اہمیت پر زیادہ زور دیا۔ بقول شاہ ولی اللہؒ تذکیر بآلاء اللہ میں شامل فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں: قرآن کریم کے اسلوب بیان میں یہ بات شامل ہے کہ وہ انتہائی اہم امور کے لیے لفظ آیت استعمال کرتا ہے۔ اگر اس اصول کو مد نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ عائلی زندگی بہت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس کے لیے لفظ "آیت" استعمال کیا ہے[۲۳] اور باہمی حقوق و فرائض کی تقسیم کر دی ہے۔ ان فرائض کے ادا کرنے کو نیکی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث قرار دیا۔ ایک فریق کے فرائض دوسرے کے حقوق بن جاتے ہیں۔ ان فرائض کی ادائیگی کی پہلی تاکید اخلاقی موعظت کی صورت میں کی۔ زوجین کو باہم حسن سلوک، عفو و در گزر کی تاکید قرآن و سنت میں بار بار کی۔ ناپسندیدہ امور کے باوجود عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کا حکم دیا۔ یوں اتحاد و اتفاق پیدا ہو گا۔ خاندان محفوظ و سلامت رہیں گے۔ اس سے ازدواجی زندگی برقرار رہے گی۔ وہ خاوند یا بیوی حقیقی طور پر سعادت مند ہوتے ہیں جو صبر و تحمل اور عفو و در گزر کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں کیونکہ ازدواجی زندگی میں کئی گھاٹیاں اور چٹانیں ہوتی ہیں جن سے

---

[۲۲] ۔ شاہ ولی اللہ؛ حجۃ اللہ البالغہ، اردو ترجمہ علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی، نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، کراچی، ۱۳۰۲ھ، ص۔ ۵۸۔ ۸۴

[۲۳] ۔ شاہ ولی اللہؒ، حجۃ اللہ البالغۃ، ص۔ ۴۰-۳۹

میاں بیوی کو وقتاً فوقتاً واسطہ پڑتا ہے۔

صبر کرنے کی صورت میں وہ رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں جبکہ غیض و غضب میں آجانے سے بہت جلد خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔اس لئے مختلف قسم کے حجابات کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ حجابی زندگی کو اسلام نے تین حصّوں میں منقسم کیا: ایک حجاب النفس، دوسرا حجاب الرسم، تیسرا حجاب سوء المعرفۃ۔ قرآن اور تعلیمات نبی ﷺ کا نچوڑ یہ ہے کہ نفس انسانی کو پہلے پاک صاف کیا جائے۔ جب تک نفس انسانی اپنی غلط خواہشوں، گناہ آلود آرزوؤں سے لاتعلق ہو کر ''اعلیٰ انسان'' نہیں بنتا تب تک نفس کا حجاب کبھی جبلت و فطرت، کبھی طبعی سستی و کاہلی، کبھی طبعی عدمِ رغبت کے سبب نعمت ''سعادت'' تک پہنچنے میں بڑی رکاوٹ بنا رہتا ہے۔ حصول نعمت و سعادت کا مرتبہ پانا ہی اعلیٰ ترین انسان ہونے کا مطلب ہے اور یہی مرتبہ ''مومن'' کا ہے۔اس لئے نبی ﷺ نے نکاح کو خواہشاتِ نفس پر دسترس حاصل کرنے کے لئے لازمی قرار دیا ہے کیونکہ نفسانی خواہشات کو روکنے کے لئے اور مومنانہ اقدار اختیار کرنے کے لئے نکاح اشد ضروری ہے۔ عصر حاضر میں تاخیر سے شادی کرنے کی وجہ سے سماج میں بہت سی اخلاقی خرابیاں پیوست ہوئی ہیں۔ مسلمانوں نے جو رسم و رواج اختیار کئے وہ زیادہ تر خرابیوں کی معاونت کرتے ہیں۔ رسوماتِ بد مسلم سماج کو روز بہ روز اندھیری و گہری کھائی کی طرف ڈھکیل رہی ہیں۔

حصول سعادت کے راستے میں مولانا عبید اللہ سندھی نے حجاب الرسم کو واضح کرتے ہوئے کہا ہے:

جاہلانہ رسم و رواج، غلط حدود و قیود، غیر عادل اور ظالم نظام حکومت کا بطلان بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح انفرادی طور پر سماجی و خاندانی و معاشرتی جاہلانہ حدود و قیود کا خاتمہ ضروری ہے[۲۴]۔ حجاب سوء: معرفت فرمودات رسول اکرمؐ اور قرآنی مفاہیم کے احکامات صحیح علم، صحیح سمجھ بوجھ اور فہم کامل ہی وہ اصل راستہ ہے جو حصول نعمت سعادت میں مدد اور معاون بنتا ہے۔ اگر ہم صحیح معرفت کی جگہ سوء معرفت کے راستے پر چل پڑیں گے تو تعلیم نبوی اور قرآنی تعلیم کے باوجود بھی حصول سعادت دین و دنیا حاصل کرنا ناممکن بات ہوگی۔

اسلام ایک ایسا دین ہے جو ہماری زندگی کے ہر معاملے میں ہدایت اور رہنمائی کرتا ہے۔ اگر ہم اسلامی نظام کے تحت اپنے خاندانی معاملات استوار کریں گے تو بُرائیوں کا قلعہ قمع کرنے میں آسانی ہوگی۔اس واسطے سے ہم ایک مہذب معاشرہ تیار کر کے ایک بہترین قوم کی داغ بیل ڈال سکتے ہیں اور پُر خلوص اور بااصول انسانوں کی باوصف جماعت کھڑی کر سکتے ہیں جو انسانیت کو اُجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔اس کی

---

[۲۴] خطبات مولانا عبید اللہ سندھی مرتبہ محمد سرور، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۲، ص ۱۶۴

اکائی خاندان ہے جس کی بنیاد میاں اور بیوی اپنے صالح کردار سے ڈالتے ہیں۔ شاہ صاحب نے بھی اسی بات پر زور دیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں مل کر اپنے گھر کو مثالی اور جنت کا نمونہ بنا سکتے ہیں اور یہی ایک روشن مستقبل کی نوید ہے۔ اس کے لئے باعمل اور راسخ فی العلم لوگ ضروری ہیں جو تلخ باتوں سے پاک ہیں اور بُری صحبت سے پرہیز کرتے ہیں اور دلوں میں نفرت کے بدلے اخوت و محبت کو جگہ دیتے ہیں۔ ایسے خاندانی ماحول کے لئے تربیت اولاد ایک اہم اور پائیدار عمل ہے۔ اس لیے خاندان کے چھوٹے سے دائرے میں اگر بچوں کی تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے تو رفتہ رفتہ گھر سے باہر بھی پورے معاشرہ پر اسلامی اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکیں گے۔ یہ فقدان مسلم اُمت میں حد سے زیادہ زوال کا سبب بن چکا ہے اور اس بارے میں تعلیمات دین یعنی قرآن وسُنت کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کے مکتوبات اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

وفات شبلی پر خلیفہ عبدالحکیم کی ایک نایاب نظم

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
azmi408@gmail.com

۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو علامہ شبلی نعمانی (۱۹۱۴-۱۸۵۷ء) کا شہر اعظم گڑھ میں سانحہ وفات پیش آیا۔اس حادثہ فاجعہ پر ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ نثر نگاروں نے نثر میں اور شعرا نے منظوم نذرانہ عقیدت پیش کیا۔اس وقت اردو و انگریزی کے نامور اہل قلم، محقق ومصنف، ماہر غالبیات و اقبالیات ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (۱۹۵۹-۱۸۹۳ء) سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی میں بی اے کے طالب علم تھے۔انھوں نے ایک طویل تعزیتی نظم لکھ کر علامہ شبلی کو خراج عقیدت پیش کیا۔اس نظم کا عنوان یہ مصرع ہے:

پیکر شبلی میں تھی روح غزالی جاگزیں

یہ نظم روزنامہ زمیندار لاہور (مدیر: مولانا ظفر علی خاں) ۲۷/نومبر ۱۹۱۴ء کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔اور کئی نوع سے اہمیت کی حامل ہے۔ایک تو یہ کہ یہ نظم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی دور طالب علمی کی یادگار ہے۔ اس سے ان کی اٹھان کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ نظم ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کے مجموعہ ''کلام حکیم'' مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی (م: جون ۱۹۷۳ء، لاہور) میں بھی شامل نہیں ہے۔عدم شمولیت کا سبب بھی واضح نہیں۔ ممکن ہے فاضل مرتب کو اس کا علم ہی نہ رہا ہو؟ تیسری بات یہ کہ اس سے علامہ شبلی سے ان کی غایت محبت کا اظہار ہوتا ہے۔اس نظم کی ایک خوبی اس کی تشبیہات واستعارات بھی ہیں۔اس بنا پر یہ نظم ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔

آہ! خانہ علم وہنر نے کھودیا اپنا مکیں — رہ گئی خاتم فقط غائب ہوا نقش نگیں
نور حق پاتا تھا اس میں دیدۂ باریک بیں — پیکر شبلی میں تھی روح غزالی جاگزیں
موت کی بیداد سے بچ کر نکل سکتے نہیں — آیت انفاس ہے اس کی کماں اس کی کمیں
خون کے آنسو بہائے قوم کے اقبال نے — ہوگئی گل پوش جس سے نظم اردو کی زمیں
حالی معجز بیاں اک عمر ماتم میں رہا — شعر کے دامن میں ٹانکے اشک کے دُرِ ثمیں
فلسفی، شاعر، مورخ، شبلی شیریں سخن — ذات میں جس کی صفات عالمانہ جمع تھیں
ہم سفر اجڑے چمن کے تھے یہ سب جن میں سے ایک — مثل گنج بے بہا زیر زمیں ہے اب دفیں
آج کل گوساری دنیا عرصۂ پیکار ہے — موج زن ہے خون انگلستان سے لے کر تابہ چیں
اس زمانے میں کہ چشم نکتہ رس کا قحط ہے — آسماں نے اک بصیرت اور کی زیر زمیں
کاٹتی ہے سیکڑوں چکر کئی صدیوں میں تب — گردش ایام تجھ سا شخص لاتی ہے کہیں
فلسفہ مذہب سے ٹکرایا تھا جب بغداد میں — خون مسلم سے بھرے تھے آستان وآستیں

قدرت حق نے تھے ایسے نکتہ داں پیدا کئے
صلح سے بدلی جنہوں نے آ کے جنگ عقل ودیں

کئے تونے بھی توحامد و رازی کی صورت ہند میں
دین ودانش کے دلوں سے میٹ ڈالا نقش کیں

تیری آنکھوں نے پڑھا لوح دل رازی کاراز
سینۂ سینا کی باتیں تجھ پہ سب روشن ہوئیں

توسریرعلم چڑھتا سر پہ تھا ایماں کاتاج
خادم اعلی ہے جوہے وہ امیرالمومنیں

جاہ وثروت سیر چشمی کے مقابل ہیچ ہیں
لاکھ سلطانوں پہ فائق تجھ سا خاکستر نشیں

جرات آموز بیان صدق تھا تیرا خلوص
آستانے پر حقیقت کے رہی تیری جبیں

رنگ تصویر کہن میں بھر کے تو دکھلاگیا
تیری گُلکاری پہ ہردل نے پکارا آفریں

تیری باتوں میں تھا پنہاں نشہ جام طہور
تیرا ہر ایک شعر شیرینی میں رشکِ انگبیں

قوم کے جسم شکستہ کے لئے تھی مومیا
تھی ستون ملت بیضاتری رائے رزیں

صفحۂ دنیا پہ گو مثل قلم یک پا تھا تو
برق رفتار قلم کو پر پہنچ سکتی نہیں

پیش طوفاں صورت ساحل رہا ثابت قدم
اس قدر اپنی روش کی راستی پر تھا یقیں

عربدے اعدا کے کب تجھ کو مشوش کر سکے
کج ادائی پر ہوا کس روز توچیں برجبیں

سیرت احمد لئے جاتا ہے سینے میں نہاں
سر پہ تیرے ہوگا ظل رحمت للعالمیں

(روزنامہ زمیندار لاہور، ۲۷/نومبر ۱۹۱۴ء، ص ۱)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی یہ نظم مجھے زمیندار لاہور کے کئی شماروں پر مشتمل ایک جلد میں ملی تھی جس کی سلائی جلدساز نے اس طرح کی تھی کہ کچھ الفاظ پر سوئی چلادی تھی۔ تمام تر کوشش کے باوجود میں ان الفاظ کو پڑھ نہیں سکا۔ میں مولانا غلام رسول مہر مرحوم (۱۸۹۵-۱۹۷۱ء) کے لائق صاحب زادے جناب امجد سلیم علوی صاحب کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے پنجاب لائبریری جاکر اصل سے ملانے کی زحمت اٹھائی اور تصحیح کر کے اشاعت کے قابل بنایا۔

ملی مسائل

نئی نسل کی تعلیم وتربیت

ڈاکٹر ظفرالاسلام خان

ہر پرانی نسل کا فرض ہے کہ اگلی نسل کو اس حال میں تیار کرے اور چھوڑے کہ وہ ایک طرف تو معاشی حالات میں پرانی نسل سے بہتر حال میں ہو تو دوسری طرف پرانی نسل کے آداب واخلاق اور دین سے تعلق سے بھی نئی نسل پوری طرح بہرہ مند ہو۔ اگر نئی نسل صرف معاشی اعتبار سے ترقی کرتی ہے اور اس کا ناطہ پرانی تہذیب اور اسلامی قدروں سے کٹ جاتا ہے تو کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی۔

ایک عمدہ نئی نسل تیار کرنے میں معاشرے کا، اسکول کا اور گھر کا بڑا دخل ہے۔ ان میں سے کوئی بھی کڑی ٹوٹ جائے تو بڑا خلل واقع ہوگا۔ معاشرہ بگڑ رہا ہے۔ باہر کے اثرات اور نئی ٹکنالوجی پر گرفت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر ہمارا زیادہ اختیار نہیں ہے۔

بیرونی اثرات سے اپنے آپ کو کچھ نہ کچھ محفوظ رکھنے کے لئے ہم کم از کم اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرائیں جہاں کے ماحول کے بارے میں ہم کو قدرے اطمئنان ہو لیکن افسوس ہے کہ انگلش میڈیم کی خاطر ہم اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں کافی خرچہ کر کے داخل کراتے ہیں جہاں ہماری اقدار کا وجود نہیں ہوتا ہے۔

حکومت کا بھی اس اخلاقی ذمے داری میں بڑا رول ہے لیکن ہماری حکومتیں اس ذمے داری سے پوری طرح غافل رہی ہیں۔ ان کو ہر ہندوستانی محض ایک ووٹر نظر آتا ہے۔ ہمارے ملک میں کسی حکومت نے ایک اچھا ذمے دار اور بااخلاق انسان اور شہری بنانے کی کوشش نہیں کی۔ موجودہ حکومت تو انسانوں میں جو فطری اچھائیاں ہوتی ہیں ان کو بھی برباد کرنے اور ان میں نفرت کا بیج بونے کا کام پوری مستعدی سے کر رہی ہے۔ ایسی حالت میں والدین اور خاندانوں کی ذمے داری اور بڑھ جاتی ہے۔

ان تینوں عناصر، یعنی معاشرہ، اسکول اور گھر میں سے کم از کم ہم کو اپنے گھر پر پورا تصرف حاصل ہے۔ ہم گھر ایسے بنائیں جہاں خاندان کے افراد، والدین، بیوی، شوہر اور بچوں کے درمیان محبت اور احترام کا معاملہ ہو۔

اللہ پاک نے انسانی جوڑوں کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ اللہ پاک کی عظمت کی نشانی ہے کہ انہوں نے تمہارے لئے ایسے جوڑے بنائے ہیں جو ایک دوسرے کے لئے سکون کا باعث ہوتے ہیں اور اللہ پاک نے

تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ڈالدی ہے (الروم ۳۰:۲۱)۔ یہ رشتہ ہمارے لئے گھروں میں بنائے رکھنا ضروری ہے ورنہ گھر ایک جہنم بن جائے گا اور ایسے گھروں سے نئی نسل کے جو افراد نکلیں گے ان میں وہ خصلتیں نہیں ہونگی جو ہم اپنے افراد میں چاہتے ہیں۔

ایک خوش و خرم اور ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے والے گھر سے بااعتماد لوگ پیدا ہوتے ہیں جو سوسائٹی کے لئے رحمت ہوتے ہیں جبکہ ایک جھگڑالو گھر سے نکلنے والی نئی نسل معاشرے کے لئے وبال جان ہوتی ہے۔ اگر والدین کے آپس میں تعلقات اچھے نہیں ہوتے ہیں تو اس کا اثر بچوں پر بہت خراب پڑتا ہے۔

بچوں کے تئیں بچپن سے ہی ہماری ذمے داری ہے کہ ان کے اندر اسلام، اللہ پاک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عامۃ المسلمین اور انسانیت بلکہ جانوروں سے بھی محبت کا جذبہ ڈالیں اور سب کی خدمت اور خیر خواہی کے جذبے سے ان کے دلوں کو معمور کریں۔ اسلامی اور ملکی قانون کا احترام ان کو سکھائیں۔ بڑوں کا احترام ان کو سکھائیں۔ اپنے سے چھوٹوں سے پیار و محبت کا جذبہ خود ان بچوں سے عمدہ معاملہ کرکے ان کو سکھائیں۔ بچے اگر غلط کریں تو محبت سے ان کو ٹوکیں اور صحیح کام کی تلقین کریں اور اس کے لئے ان کو انعام دیں اور ان کے اچھے اعمال کو دوسروں کے سامنے سراہیں جس سے ان میں خود اعتمادی پیدا ہوگی اور ان میں مزید اچھے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ والدین خود بھی ان نیک کاموں پر عمل پیرا ہوں جن کی وہ تلقین کررہے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو بچوں میں نفاق پیدا ہوگا اور وہ اچھے کام صرف اسی وقت کریں گے جب والدین یا کوئی بڑا ان کو دیکھ رہا ہوگا ورنہ ان کا رویہ دوسرا ہوگا۔

تربیت میں سزا کا بھی مقام ہے لیکن سزا انتقام کے لئے یا اپنے غصے و ناکامی کو اتارنے کے لئے نہ ہو بلکہ صرف بچے کی اصلاح کے لئے ہو اور اسی قدر ہو جس سے اس کی اصلاح ہو جائے۔ بعض والدین غصے میں پاگل ہو جاتے ہیں اور بچوں کی شدید سرزنش کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی ان کو جسمانی نقصان بھی پہنچا دیتے ہیں۔ ایسے بچے اپنے والدین سے محبت نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے صرف ڈرتے ہیں۔ سزا کا اثر بچوں میں انتقام کی آگ جلاتا ہے اور جیسے ہی وہ انتقام لینے کی پوزیشن میں آجاتے ہیں، وہ اپنے خاندان اور سوسائٹی سے انتقام لیتے ہیں اور اس طرح اپنا ہی نقصان کرتے ہیں بلکہ کبھی کبھی جیل بھی پہنچ جاتے ہیں۔

میرے والد (وحید الدین خانؒ) بھی اسی طرح کے تھے۔ انھیں اپنے غصے پر قابو نہیں تھا۔ ان کی سزا برائے اصلاح کے بجائے سزا برائے انتقام ہوتی تھی۔ بچپن میں انھوں نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھے بری طرح زدوکوب کیا۔ اگر میں نے بچپن میں اپنے نانا (حامد حسن علویؒ) کی شفقت و محبت نہ دیکھی ہوتی تو شاید میں آج وہ نہ ہوتا جو ہوں۔ ہمارے ایک رشتے دار اپنے بچوں پر اتنے سخت تھے کہ ان کا بڑا لڑکا اپنی امی سے کہتا

تھا کہ میں بڑا ہو کر ابو کو قتل کر دوں گا۔ مذکورہ رشتے دار اللہ کو پیارے ہو گئے اور اللہ کا شکر ہے کہ ایسی ناخوشگوار صورت حال پیش نہیں آئی۔

اچھی عادتوں اور عمدہ اخلاق کے ساتھ بچپن ہی سے بچوں کو نماز، روزے اور صدقات وغیرہ کا عادی بنانا چاہئے تاکہ بڑے ہوتے ہوتے یہ چیزیں ان کی شخصیت کا حصہ بن جائیں۔

بچوں کی جسمانی تربیت بھی ان کی عمومی تربیت کا حصہ ہے۔ ان کو کھیلنے کودنے کا موقع دینا اور اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ وقت گذارنے کا موقع دینا بھی بہت اہم ہے تاکہ ان کی جسمانی اور جذباتی پرورش صحیح طریقہ سے ہو اور وہ اپنے ہم پلہ لوگوں کے ساتھ بات چیت اور معاملہ کرنے کے آداب سیکھ جائیں۔

بچپن سے ہی بچوں کو قرآن پاک پڑھوانے اور کچھ چھوٹی سورتوں کو حفظ کرانے کی ذمے داری بھی والدین کی ہے۔ اگر بچے مدرسے میں پڑھ رہے ہیں تو والدین کا فرض ہے کہ ان کو جدید علوم بھی پڑھوائیں، چاہے ٹیوشن دلا کر یا مدرسے سے چند سال کے بعد نکال کر اسکول میں داخل کرائیں تاکہ بچے دنیا میں سر اٹھا کر جی سکیں۔ ہم نے کتنے ہی مدارس کے فارغین کو دیکھا ہے جو بڑے ہو کر تاعمر اپنے والدین کو کوستے ہیں کہ انھوں نے ان کو دنیا کے قابل نہیں بنایا۔ اور اگر بچے اسکول جا رہے ہیں تو گھر پر قرآن پاک اور ضروری اسلامی لٹریچر کے پڑھوانے کا انتظام کریں، چاہے خود پڑھائیں یا ٹیچر رکھ کر یہ ذمے داری نبھائیں۔ صرف قرآن پاک کا ناظرہ کافی نہیں ہے بلکہ پوری کوشش کریں کہ بچہ قرآن پاک کا ترجمہ اپنی مادری زبان میں پڑھنا شروع کر دے تاکہ اس کا ربط براہ راست کتاب اللہ اور اللہ پاک سے قائم ہو جائے۔ آجکل ہماری معاشرتی بے راہ روی اور ابتری کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن پاک ناظرہ سے تو ضرور پڑھ لیتے ہیں لیکن اس کے معنی ہم کو زندگی بھر نہیں معلوم ہوتے۔ نتیجۃً ہم سارے عمر قرآن پاک کو صرف ثواب کے لئے پڑھتے ہیں جبکہ قرآن پاک ہمارے لئے ہر روز ہدایت کی کتاب ہے۔ اس کو بغیر سمجھے بار بار دھرانا اس سے مذاق ہے کیونکہ اللہ پاک نے اسے عمل کرنے کے لئے اتارا ہے نہ کہ بغیر سمجھے بار بار دھرانے یا تعویذ بنانے کے لئے۔ آج امت مسلمہ کی ذلت و تباہی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ایک زندہ کتابِ ہدایت کو صرف ثواب و تعویذ کی کتاب بنا دیا ہے*۔

---

*سیرت النبی کمیٹی دہلی کے زیر اہتمام یہ لکچر ۱۵؍ مئی ۲۰۲۲ کو غالب اکیڈمی ہال، دہلی، میں دیا گیا۔

اخبار علمیہ

ہزاروں برس قدیم تابوت اور مجسمے دریافت

قاہرہ کے جنوب میں واقع قدیم فرعونی مقابر کے لیے معروف سقارہ کے مقام پر سینکڑوں قدیم نوادرات کی نقاب کشائی کی گئی۔ نمائش کے لیے پیش کی گئی اشیا میں ۲۵۰ قدیم مصری تابوت اور ۱۵۰ ایسے کانسی کے مجسمے ہیں جو تقریباً ڈھائی ہزار برس پرانے ہیں۔ ایک دور میں یہ علاقہ قدیم مصری دارالحکومت ممفیس کے طور پر بھی استعمال ہو چکا ہے۔ مصر کی وزارت سیاحت و نوادرات کے بیان کے مطابق یہ دریافتیں پیتل کے ۱۵۰ مجسموں کا ایسا پہلا اور سب سے بڑا ذخیرہ ہیں جن کا تعلق دور قدیم سے ہے۔ لکڑی کے ۲۵۰ صحیح سالم ایسے بند تابوت بھی دریافت ہوئے ہیں جن میں ممیاں رکھی ہوئی ہیں۔ وزارت کا کہنا ہے کہ انہیں جلد ہی گرینڈ مصری میوزیم میں نمائش کے لیے رکھا جائے گا۔ ان کے علاوہ بہت سے قدیم معروف دیوی دیوتاؤں کے مجسموں کے ساتھ ساتھ قبر کے اندر بنی شافٹ سے تدفین میں استعمال ہونے والی بہت سی دیگر اشیا کے ساتھ ہی پینٹ شدہ لکڑی کے بہت سے تابوت بھی دریافت ہوئے ہیں۔ انہیں میں نرسل کے بنے ہوئے ورق پر قدیم زبان میں بعض تحریریں بھی ملی ہیں جو بہت اچھی طرح سے محفوظ کی گئی تھیں۔ مزید تجزیہ کے لیے ان تحریروں کو مصری عجائب گھر بھیجا گیا ہے۔ واضح ہو کہ ۲۰۱۸ء میں پہلی بار اس مقام پر کھدائی کا کام شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد سے سقارہ اپنی نادر دریافتوں کے لیے سرخیوں میں ہے۔ رپورٹ کے مطابق انہیں گرینڈ مصری میوزیم لے جایا جائے گا جو جیزہ کے عظیم اہرامات کے قریب زیر تعمیر ہے اور رواں برس کے اواخر میں اس کا افتتاح متوقع ہے۔ (اعتماد، حیدرآباد ۲ جون ۲۲ء وqaumiawaz.com) ک، ص اصلاحی

وفیات

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری مرحوم

(۱۹۴۱-۲۰۲۲ء)

گذشتہ دنوں یہ افسوس ناک خبر آئی کہ دار السلام عمر آباد کی علمی و تعلیمی شناخت کا درجہ رکھنے والے مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی عمری اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ شمال ہند میں جنوب ہند کی شخصیات کا ذکر عموماً ان کی زندگی ہی میں کم ہوتا ہے۔ اسی لیے ان کے رخصت ہونے سے علمی دنیا میں پھیلتی ویرانی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

مولانا عمری کا اصل تعارف دار السلام عمر آباد کے تعلق سے ہے اور اسلامی ہند کی گذشتہ ایک صدی سے زیادہ کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ دار السلام نے تامل ناڈو کی سرزمین کو کس طرح علوم اسلامیہ کے نخلستان میں بدل دیا۔ تامل ناڈو مدراس اور چنئی یہ نام بدلتے رہے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ رہی کہ علامہ شبلی اور ندوہ کے پیغام پر سب سے پہلے مدراس نے لبیک و سعدیک کی صدا بلند کی تھی۔ تحریک ندوۃ العلماء کی اس آواز کی بازگشت مجلس علمائے جنوبی ہند کی شکل میں ظاہر ہوئی اور اس مجلس کا سب سے قابل فخر نمونہ عمر آباد کا ادارہ دار السلام بنا، تعلیم اور دعوت دونوں کے امتزاج کے ادارے اور بھی ہیں لیکن دار السلام کا مقام کچھ اور ہی رہا۔ عمر آباد جہاں ہے وہ کبھی حیدر آباد، آرکاٹ اور میسور کی فوجوں کا میدان جنگ تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک جگہ اپنے خاص اسلوب میں لکھا کہ اب یہ صلح کا میدان ہے۔ مسلمانوں کے مسلکی تعصبات کا اٹھ جانا رد بدعات اور اصلاح رسوم کی مہم برپا ہونا اور صحت عقائد پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے اب جنگ نہیں، صلح کا ماحول ہے۔ کہنا آسان ہے ورنہ دار السلام یوں ہی وجود میں نہیں آتا۔ اسی دار السلام کی وادی سے ہمارا ابھی ایک بار گزر ہوا، کاکا سعید اور کاکا انیس کی شفقتیں ہمراہ ہوئیں تو نظر جن اور بزرگوں کی دید سے سرشار ہوئی ان میں مولانا حفیظ الرحمٰن عمری بھی تھے۔ اس وقت وہ ستر پچھتر منزلیں طے کر چکے تھے لیکن ان کے جوش عمل میں ذرا بھی کمی نہیں تھی۔ ان سے زیادہ ان کے شاگردوں سے ان کے اوصاف و کمالات کا علم ہوا۔ معلوم ہوا کہ دار السلام کے سرسبد گل وہی ہیں۔ مدراس میں اعظمی کی نسبت سے شبہہ ہوا کہ اس وادی سے ان کا گزر ماضی قریب کی بات ہے لیکن معلوم ہوا کہ یہ نسبت محض اضافی ہے۔ ان کے والد شیخ الحدیث محمد نعمان میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد تھے وہ ۱۹۲۸ء میں عمر آباد کی جانب ہجرت کر گئے اور پھر تاعمر وہیں آباد رہے یعنی قریب ایک صدی سے یہ خاندان اعظمی وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ مولانا حفیظ الرحمٰن مرحوم ۱۹۴۱ء میں وہیں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن مجید کے بعد دار السلام ہی سے دستار فضیلت حاصل

ہوئی۔ ۶۱ء میں غالباً مدینہ یونیورسٹی کے قیام کے بعد ہندوستان سے بارہ طلبہ کا انتخاب ہوا، ان میں مولانا اعظمی بھی تھے۔ ان کے رفقائے درس بھی کمال کے تھے۔ مثلاً مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، ڈاکٹر مزمل حسین صدیقی، شیخ ربیع ہادی عمیر مدخلی، ڈاکٹر صہیب حسن، مولانا احسان الٰہی ظہیر وغیرہ، یاد آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں میں ہمارے پروفیسر اشتیاق احمد ظلی کا بھی نام لیا تھا۔ مدینہ یونیورسٹی کے علاوہ انہوں نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلما کی سند بھی پائی۔ علامہ شاکر نائطی اور مولانا عبدالکبیر عمری اور مولانا ابوالبیان حماد جیسے اساتذہ کی نگاہ فیض نے ان کو واقعی علامہ بنادیا لیکن کیا خاکساری تھی۔ ہمیشہ کوشش رہی کہ نام ونمود، فخر و تعلی، خودستائی وخودنمائی سے جس قدر دوری ممکن ہو، اختیار کی جائے۔ دارالسلام کے علاوہ کچھ عرصہ تدریس کے سلسلہ میں نائجیریا اور ملیشیا میں بھی گزارا۔ تفسیر وحدیث و فقہ اور ادب ان کے خاص موضوعات رہے۔ ہزاروں شاگرد ہوئے جو ان کی محفل سے اٹھے اور بے شمار محفلوں کی رونق کا سبب بن گئے۔ تحریر بھی ان کی پختہ تھی۔ کثرت سے مضامین لکھے لیکن طبیعت کی بے نیازی نے ان کو کتابی شکل دینے سے عموماً گریز ہی کی راہ دکھائی۔ ترجمے بھی کیے۔ برادرم مولانا محمد رفیع کلوروی ان کے عزیز ترین شاگرد ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ ان کے مضامین کے دو مجموعے میرے اساتذہ، متاع قرآن بھی شایع ہوچکے ہیں۔ ان کی ایک کتاب صدائے دل بھی شائع ہوئی اور بہت مقبول ہوئی۔ معارف میں بھی اس کا ذکر آیا تھا۔ دارالمصنّفین کے عاشق تھے اور اسی نسبت سے بڑی محبت کا اظہار کرتے۔ ان کا کہنا تھا کہ ظاہری ترقی کے لیے ضروری وسائل حیات لازمی ہیں اور معنوی ترقی کے لیے خالصۃً لوجہ اللہ ہونے والا کام ضرور ثمر بار ہوتا ہے اور اس کی تاثیر زندہ نفوس میں پھولوں کی طرح مہکتی اور روشنی کے مانند جگمگاتی ہے۔ دارالسلام مرکز دعوت ہے ایسے میں ان کا یہ قول دل میں بسالینے کے لائق ہے کہ دعاۃ، انانیت، نام آوری اور اپنی بات منوانے کی عادت سے بچیں۔ داعی کو مفتی اور قاضی کی طرح نہیں طبیب اور حکیم کی طرح ہونا چاہیے۔ یقین ہے کہ دارالسلام کی طرح دارالقرار میں بھی وہ اپنے رب کی نعمتوں اور عنایتوں کے درمیان ہوں گے۔

پروفیسر محمد اقبال مجدّدی (۱۹۵۰-۲۰۲۲ء)

پاکستان کے معروف محقق اور سلسلۂ مجددیہ کے مورّخ اور متخصص پروفیسر محمد اقبال مجدّدی ۷ جون ۲۰۲۲ کو لاہور میں وفات پاگئے اور وہیں دفن ہوئے۔ وہ ۹ ستمبر ۱۹۵۰ کو لاہور ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۷۴ تا ۲۰۱۰ء ان کی پیشہ ورانہ زندگی بطور استادِ تاریخ لاہور کے مختلف کالجوں شاہ حسین کالج، ایم اے او کالج اور

اسلامیہ کالج میں گذری۔ لیکن ان کی اصل دل چسپی تدریس سے زیادہ تحقیق سے تھی اور طالب علمی کے زمانے ہی میں انھوں نے "احوال وآثار عبداللہ خویشگی" لکھ کر محققین کی توجہ حاصل کرلی تھی۔اس کے بعد ان کے دواور تدوینی کاموں "مقامات مظہری" تصنیف شاہ غلام علی دہلوی اور "حدیقۃ الاولیا" تصنیف مفتی غلام سرور لاہوری نے شہرت حاصل کی۔اس کے بعد وہ مسلسل سلسلہ مجددیہ کے مصنفین کی کتب کی تدوین اور ترجموں میں مصروف رہے۔ چنانچہ مقامات معصومی کو چار جلدوں میں مرتب کیا۔ایک جلد مقدمہ، ایک جلد متن، ایک جلد ترجمہ اور ایک جلد تعلیقات پر مشتمل ہے۔۲۰۱۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انھوں نے پوری توجہ آثار نقشبندیہ مجددیہ کے مخطوطات کے عکس شائع کرنے کی طرف مبذول کرلی۔ معارف کے گذشتہ سالوں کے شماروں میں تواتر کے ساتھ ان کی مرتب اور شائع کردہ کتب کا تذکرہ ہوتا رہا ہے۔ انھیں اپنے تحقیقی کاموں کے لیے مواد اور مآخذ جمع کرنے کے لیے افغانستان، ایران، ہندوستان، ترکی اور انگلستان کے سفر کرنے پڑے جو بہت کٹھن تھے۔ان تمام اسفار اور کتب کی جمع آوری کی داستان انھوں نے اپنی کتاب "یہ کتابیں اپنے آبا کی" میں درج کی ہے۔انھوں نے اپنا گرانقدر کتب خانہ جو ہزاروں مطبوعات، مخطوطات، عکسیات اور مائیکروفلموں پر مشتمل تھا پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کو عطیہ کردیا تھا جس کی فہرست تین جلدوں میں شائع ہوئی۔شروع شروع میں وہ ماہ نامہ معارف اور برہان میں مقالات لکھتے رہے۔ پاکستانی جرائد میں بھی ان کے مقالات شائع ہوئے۔ایرانی دانشناموں کے لیے انھوں نے متعدد مقالات لکھے۔انھوں نے اپنے تمام مقالات موضوعی ترتیب کے ساتھ "تذکرہ علما و مشائخ پاکستان و ہند" کی چار ضخیم جلدوں میں جمع اور شائع کردیئے تھے۔ان کی علمی خدمات کا احاطہ ایک مفصل مضمون کا متقاضی ہے جو کسی اور موقع پر پیش کیا جائے گا۔

مجددی صاحب کے چلے جانے سے ایک ایسے شخص کا واقعی خلا پیدا ہوگیا ہے جو برصغیر میں مجددیہ تحریک کے ہر پہلو سے واقف تھا۔ معلوم نہیں یہ خلا اب پورا ہوگا یا نہیں۔راقم السطور کو ان کی وفات کا ذاتی رنج بھی ہے کہ میرا ان سے کوئی چالیس سال سے تعلق تھا۔ہم نے کچھ مشترکہ علمی کام بھی کیے۔اندرون و بیرون ملک اکٹھے سفر پر بھی جاتے رہے۔اللہ تعالی ان کے درجات اخروی بلند کرے اور ان کے کاموں کو ان کی بخشش کا وسیلہ بنائے۔(عارف نوشاہی)

احمد مصطفی صدیقی بھوپالی مرحوم (۱۹۳۴-۲۰۲۲ء)

ایک اور نمونہ اسلاف شخصیت سے محرومی کی خبر ملی۔ بھوپال کے جناب احمد مصطفی صدیقی ۳۰ مئی کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر۔ بھوپال تو دارالاقبال شہر ہے۔ اس کے اقبال اور اس کی ارجمندی کی داستانوں میں علم و فضل کا حصہ سب سے زیادہ ہے جو لٹنے پٹنے کے باوجود اب بھی کم نہیں کہا جاسکتا۔ مولانا محمد عمران خان ندوی مرحوم فرماتے تھے کہ یہ اعزاز بھوپال ہی کی قسمت میں آیا کہ یہاں ملت اسلامیہ ہندیہ کے دو آفتاب و ماہتاب یعنی شیخ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندانوں کے صلبی وارث موجود ہیں۔ جناب احمد مصطفی صدیقی کا رشتہ بھی شاہ صاحب سے جاملتا ہے۔ وہ مولانا عبدالقیوم بڈھانوی محدث و مفتی ریاست بھوپال کے حقیقی پرپوتے تھے۔ ۱۹۳۴ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ان کے جدامجد بیگم بھوپال کی دعوت پر بھوپال تشریف لائے تھے۔ پھلت میں تھے لیکن پھر ہمیشہ کے لیے ارض بھوپال سے رشتہ جوڑ لیا۔ اس رشتہ کا پاس و لحاظ جس طرح احمد مصطفی مرحوم نے کیا اس کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے ان کے پاس تھوڑا سا بھی وقت گزارا ہے۔ وہ انجینئر بنے لیکن اپنی وضع قطع اور اس سے زیادہ علوم مشرقیہ پر دسترس کی وجہ سے پہچانے گئے۔ ان کے پاس خاندانی وراثت کی شکل میں کتابوں خصوصاً مخطوطات کا بیش قیمت ذخیرہ تھا۔ بعض بعض نوادر انتہائے محبت میں دوسروں کی نگاہوں کی عزت بڑھانے کے لیے وہ پیش کرتے اور اس مخطوطہ کی پوری اہمیت بھی بیان کردیتے۔ جہانگیر یہ اسکول کے سامنے ان کی حویلی ہی ان کی جنت تھی جس میں کتابوں کی شکل میں علوم و فنون کی وہ نہریں بہتیں جو شہد اور دودھ کی نہروں کا منظر پیش کرتیں۔ وہ نہ مصنف تھے نہ مصنف گر، وہ محض قاری تھے لیکن نگاہ وہاں تک کی رکھتے تھے جہاں سے مصنف بہت دور رہ جاتا۔ معارف کے مضامین کا ایسا عالم و فاضل و نقاد قاری شاید ہی کہیں اور ملے۔ معارف کے لیے ایک بار انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک مضمون بھیجا جو گویا نایاب کے درجہ میں تھا۔ اسی طرح سید صاحب کے دو خط بھی پیش کیے جو ان کی بہن پروفیسر خالدہ صدیقی کے نوٹ کے ساتھ معارف میں شائع ہوئے۔ زبانی بھی خوب تبصرہ کرتے۔ ان کا انداز گفتگو بھی کیا دلنشیں تھا، گھنٹوں سنتے رہیے اور طبیعت سیر نہ ہو۔ افسوس تو یہ ہے کہ ایسے باکمال اشخاص شہروں اور بستیوں میں موجود لیکن پھر بھی وقت کے پردوں میں مستور رہ جاتے ہیں، ان میں سے کسی کا اٹھ جانا اصلاً ایک تہذیب کے دھندلے نقوش کا بالکل ہی مٹ جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے آثار و باقیات کو زندگی دے اور جانے والے کو حیات طیبہ کا صلہ بخشے۔

مولانا ابوالبقا ندوی مرحوم (۱۹۳۲ء۔۲۰۲۲ء)

یہ خبر بھی غم واندوہ کا سبب بنی کہ مولانا ابوالبقا ندوی دار باقی کے راہی ہوگئے۔اپنے آبائی گاؤں ہنگائی پور، اعظم گڑھ میں انہوں نے اس دار فانی میں آخری سانس لی۔ دل کی دھڑکن رکی تو معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک زندگی کے کارزار میں ہر جگہ اپنی موجودگی کا احساس دلانے والا اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ مولانا کا تعلق علمی خاندان سے تھا۔ ندوہ کے مشہور ترین مفتی، استاذ الاساتذہ مولانا سعید صاحب کے وہ صاحبزادے تھے اور ندوہ ہی کے نائب ناظم اور رئیس دارالافتا مولانا محمد ظہور ندوی مرحوم کے بھانجے تھے۔ بقا صاحب شاید اس وجہ سے بھی ہردلعزیز تھے ورنہ ان کی مقبولیت میں ان کی عملی صلاحیتوں کا سب سے زیادہ دخل رہا۔ ندوہ سے آئے تو دارالمصنّفین کے ناظر کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا اظہار بحسن وخوبی کیا۔ مبارک پور میں ایک مطب بھی قائم کیا۔ ۱۹۸۲ء میں جب اسلام اور مستشرقین کا عالمی سیمینار دارالمصنّفین میں منعقد ہوا تو انہوں نے مخطوطات کی نمائش اس خوبی سے کی کہ ہر مہمان کے لب پر ان کے لیے تحسین کے کلمات رواں ہوگئے۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے خوش ہوکر ان سے فرمائش کی کہ وہ دارالمصنّفین کے انتظامی امور کے نگراں بن جائیں، وہ نگراں بھی بنے انتظامی اور ایک حد تک علمی مجلسوں میں ان کا ذکر عام ہونے لگا مگر جوش عمل اور سیمابی صفت ان کو جامعۃ الفلاح لے گئی۔ وہاں وہ ناظم ہوئے، معتمد مال ہوئے اور آخر تک وہ جامعہ کی ترقی اور بہبود کے لیے ہمہ تن کوشاں رہے۔ مرد خلیق اور سادہ تھے اس لیے محبوبیت کا درجہ بہت جلد اور بآسانی پالیتے۔ علمی اور تعلیمی اداروں سے ان کے تعلق کی وجہ یہی تھی۔ وہ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر ہوئے۔ ندوۃ العلما میں وہ مولانا سید محمد رابع ندوی کے معتمد رہے۔ جامعہ اسلامیہ مظفر پور میں مولانا تقی الدین ندوی مظاہری ان کی صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے۔ عمر قریب نوے سال کی پائی۔ آخر عمر میں ایک موذی بیماری کا شکار ہوئے اور بظاہر وہی ان کے سفر آخرت کا سبب ہوئی۔ پس ماندگان میں بچوں اور بچیوں کے ساتھ وہ تمام ادارے ہیں جن سے ان کا تعلق رہا۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ ع۔ص

تبصرۂ کتب

قرآن کا تصور عروج وزوال۔ عصر حاضر کے خصوصی تناظر میں: ابوسعد اعظمی۔ کاغذ وطباعت عمدہ، غیر مجلد مع خوبصورت گرد پوش۔ صفحات ۳۰۴، ملنے کا پتہ: ادارہ علوم القرآن، شبلی باغ، علی گڑھ ۔ قیمت ۲۵۰ روپے۔ سن طباعت: ۲۰۱۸ء۔ ۹۸۹۱۰۵۱۶۷۔ ای میل: alquran85@gmail.com

قرآن مجید پر غور وفکر اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے علوم القرآن کے نام سے جو ادارہ علی گڑھ میں قائم کیا گیا تھا اس نے بلاشبہ متنوع الجہات قرآنی خدمات کے سبب پورے برصغیر پاک وہند میں اپنی الگ شناخت بنانے میں کامیابی حاصل کرلی ہے۔ اس کا وقیع شش ماہی رسالہ علوم القرآن، علمی حلقوں میں بصد شوق پڑھا اور پسند کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس ادارہ کی خدمات قرآنی کا نمایاں ترین پہلو اہم اور حساس موضوعات پر کامیاب سیمیناروں کا انعقاد اور اس میں پیش کردہ مجموعہ ہائے مقالات کی طباعت اور دلچسپ قرآنی موضوع پر مسابقہ کا اہتمام ہے۔ مسلمانوں کو اپنی موجودہ حالت میں بہتری لانے کے لیے قرآن کے فلسفۂ عروج وزوال پر غور وفکر، اس کے اسباب کا تجزیہ اور اس ضمن میں باقاعدہ لائحۂ عمل مرتب کرنا وقت کا تقاضہ ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر ادارہ کے ڈائرکٹر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے ۲۰۱۷ء میں ''قرآن کا تصور عروج وزوال، عصر حاضر کے خصوصی تناظر میں'' کے موضوع پر ایک اہم اور بروقت سیمینار کرایا تھا۔ زیر تبصرہ کتاب اس سیمینار میں پیش کیے گئے ملک کے تقریباً ۱۹، نامور اہل قلم کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ مقالات کی ترتیب وتدوین میں خوش سلیقگی نمایاں ہے۔

قوموں کا عروج وزوال فطری ہے۔ قرآن نے ایک سے بڑھ کر ایک قوم کے عروج وزوال کا خاکہ مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے اسی قانون فطرت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ قرآن مجید میں عام قوموں کے عروج وترقی کے متعلق جو اشارے ملتے ہیں ان پر مسلمانوں کے عروج وزوال کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ ان کے ملی وقومی مزاج کی ترکیب اور اس کی تمدنی وثقافتی بنیاد دوسری قوموں سے علحدہ ہے۔ ترقی کے لیے قرآن میں صحیح تعلیم وہنرمندی، محنت وجفاکشی، تقویٰ وپرہیزگاری، اخلاص واحسان، خوش اخلاقی ورواداری، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب تک قرآن کے ان اصولوں کو حرز جاں بنائے رکھا ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کیے۔ قرآن کے ہوتے ہوئے جب سے انھوں نے اس سے غفلت برتی اور علم سے بے رغبتی، سستی ولاپرواہی، بے دینی، حب الشہوات من الدنیا اور فریضۂ معروف ومنکر کی ادائیگی سے چشم پوشی کو اپنا وطیرہ بنالیا ہے اس وقت سے یہ قوم روبہ زوال اور ذلت ونقبت کی طرف مائل ہے۔

زیر نظر مجموعہ میں قرآن مجید کے تصور عروج زوال کا تجزیہ بہتر اور مناسب انداز واسلوب میں لیا گیا ہے۔ بعض مقالات طویل، بعض معتدل اور بعض مختصر ہیں۔ مرتب نے مجموعہ کو معیاری اور بہتر بنانے میں بڑی محنت کی ہے۔ اپنے موضوع پر یہ مجموعۂ مقالات بھرپور، لائق مطالعہ اور اس موضوع سے دلچسپی لینے والوں کے لیے مفید ہے۔

عورت کے حقوق وفرائض، عہد قدیم اور عہد جدید میں: ڈاکٹر نعیم النساء۔ کاغذ و طباعت عمدہ، غیر مجلد مع خوبصورت گرد پوش، صفحات ۲۳۴، ملنے کا پتہ: ایوروزا اکیڈمی، علی گڑھ۔ قیمت: ۳۰۰روپے۔ سن طباعت: ۲۰۱۹ء۔ nimmimirza@gmail .com

علامہ اقبالؒ نے عورتوں کے وجود کو تصویر کائنات میں رنگ کا سبب قرار دیا ہے۔ مرد اگر اس گلشن حیات کی بہار ہے تو عورت نے بھی اپنے صبر و تحمل اور ایثار سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس باغ ہستی کی گل عذار ہے۔ لیکن کیا اس عجیب اتفاق سے اختلاف کیا جاسکتا ہے کہ عہد قدیم میں اس پر ہر قسم کے ظلم و ستم کو روا اور بہ حیثیت عورت اس کو اس کے حق سے محروم رکھا گیا۔ عہد حاضر میں بھی تہذیب و مساوات اور حقوق وآزادی نسواں کے نام پر اس کو غلام بنانے، ٹھگنے اور اس کی عفت و عصمت کو پامال کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی ہے کہ اس کی اس حالت کی ذمہ داری جس قدر مردوں پر ہے اس سے کم عورتوں پر نہیں ہے۔ اس لیے کہ عورتوں کا ایک بڑا طبقہ اپنی ذاتی زندگی میں ترقی اور مردوں کے مساوی حقوق کے حصول کے لیے شارٹ کٹ راستہ اختیار کرنے کو ترجیح دے رہا ہے۔ زیر نظر کتاب میں فاضل مصنفہ نے عورتوں کے بنیادی حقوق و فرائض اور اس کے اصل مقام و مرتبہ پر عمدہ اور بھرپور گفتگو کی ہے۔ عہد قدیم میں اس کو اس کے صحیح مقام و مرتبہ اور جائز حیثیت سے دور رکھنے کی جو سازشیں اور کوششیں کی گئیں ان کا پردہ فاش کیا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام وقرآن نے عورت کو جو حیثیتیں اور حقوق عطا کیے اور معاشرتی زندگی میں اس کا جو مقام اور دائرہ کار متعین کیا اس سے اس کی ظاہری و باطنی حالت میں جو خوشگوار تبدیلی آئی اور مسلم سماج و معاشرہ میں اس کے جو نتائج سامنے آئے ان کا تذکرہ تفصیل سے کیا ہے۔ کتاب کے مباحث کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ میں چند ابواب قائم کیے ہیں۔ پہلے حصے میں اسلام میں عورت کے حقوق، اسلام میں عورت کے بنیادی حقوق، اسلام میں والدین کے حقوق، عورت کے معاشی و تعلیمی حقوق اور زوجین کے حقوق کا اسلامی تعلیمات وہدایات کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اسلامی نظام معاشرت، اسلامی معاشرے کا نظم ونسق، خواتین اسلام یعنی آپ ﷺ کی ازواج وبنات اور دوسری صحابیات کے حالات تحریر کیے ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے ان عورتوں نے اپنی عملی زندگی کا جو نمونہ پیش کیا ہے اسی میں اصل کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ اس حصہ میں خواتین کی دین

سے محبت اور ثابت قدمی، مختلف پیشوں سے ان کی وابستگی، پردہ کے احکام اور عورت کے مقام کے جلی عنوانات کے تحت مدلل بحث کی ہے۔ مصنفہ بذات خود ایک تعلیم یافتہ عورت ہیں اور بہ حیثیت عورت ان کا یہ خیال کہ ''آج کی عورت کو یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ موجودہ دور میں وہ جس آزادی کی خواہاں ہے وہ دراصل سراسر غلامی ہے''۔ (ص ۲۳۰) بالکل صحیح اور اہمیت کا حامل ہے۔

البتہ کتاب میں اغلاط کی کثرت مثلاً حقوق، حدف تنقید، زہن، زرہ (ذرہ)، اذدواجی، خدید (خرید) وغیرہ اور اکثر آیتوں پر عدم اعراب اور ان کی غلط کتابت قاری پر بہت گراں گذرے گی۔ صحت زبان و بیان پر مزید توجہ کی ضرورت تھی۔ ان کمیوں کے باجود کتاب دینی و دنیاوی دونوں نقطۂ نظر کے حاملین کے مطالعہ کے لائق ہے۔ **ک، ص اصلاحی**

بھولے بسرے صوفی کوی (ہندی): از ڈاکٹر انور حسین خاں، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، قیمت: ۱۰۰ روپے، پتہ اودھ بھارتی سنستھان، نرولی، حیدر گڑھ، ضلع بارہ بنکی، مصنف کا پتہ: کوثر حسین خاں، اظہر منزل، نزد عید گاہ بینورا، موئی (ایودھیا) سنہ اشاعت ۲۰۱۹ء، موبائل نمبر: ۹۶۹۵۸۴۳۲۶۰

اس مختصر لیکن بڑی مفید کتاب کے مصنف نے پہلے بھی کئی تاریخی اور دستاویزی کتابوں کی تالیف و تدوین کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ان کے مطالعہ و تحقیق کا دائرہ ان کی اپنی بستی اور اس کے آس پاس کی آبادیوں کی تاریخی مشیت و اہمیت تک ہے۔ یہ بظاہر چھوٹا اور غیر اہم کام نظر آتا ہے لیکن نامعلوم دنیاؤں کی تلاش کا لطف اسی میں ہے۔ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ تہذیب ادب اور علم و معلومات کے باب میں علاقائی تاریخ ایسا سرچشمہ ہے جس کا مطالعہ پہلے تو ضروری تھا ہی، موجودہ ماضی و اسلاف ہزار نسل کے اخلاق و کردار کے ارتقاء کے لیے اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں بارہ بنکی اور فیض آباد کی ایک بستی کے دو گم نام صوفیوں شاہ ہادی اشفاق و شاہ خادم حسین نے اودھی زبان میں توحید اور تصوف کے مسائل کو جس طرح شعری پیکر عطا کیا، وہ قریب پونے دو سو سال پہلے صوفیہ حضرات کی مقامی بولیوں پر دسترس کا پیارا اظہار ہونے کے ساتھ آس پاس کے ماحول تک پیغام حق پہنچانے کا بڑا دلکش انداز بھی رکھتا ہے۔ قریب سوا سو سال پہلے ڈاکٹر انور حسین خاں نے آج کے حالات میں اودھی کے اس پیغام محبت کو ہندی میں شائع کر کے ایک قابل قدر اور لائق تعریف خدمت انجام دی، انہوں نے ضروری حاشیے دیئے، تعارف بھی اچھا کرایا اور ڈاکٹر رام بہادر مشر سے ایک عمدہ تمہید بھی لکھوائی۔ جس میں ملا داؤد کی ''چنداین کاویہ''، قطبن کی مرگاوتی، جائسی کی پدماوت، منجھن کی مدھومالتی، شیخ نبی کی گیان دیپ اور قاسم شاہ کی ہنس جواہر کو بھی یاد کیا گیا ہے۔ آج کے دور میں یہ ہمت کی بات ہے۔ (ع۔ص)

ادبیات

غزل

وارث ریاضی

کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، پوسٹ بسوریا، وایا: لوریا، مغربی چمپارن۔ بہار۔ ۸۴۵۴۵۳

مختصر سی زندگی میں رنج و غم کھایا بہت

خیر سے ، ہر آشنا نے بھی ستم ڈھایا بہت

اے مری جاں! اک ذرا دل کی تسلی کے لئے

قصۂ پارینۂ ماضی کو دہرایا بہت

ہے ترے فیضانِ غم سے زندگی کی آب رو

تیری یادوں نے دلِ محزوں کو بہلایا بہت

دیکھ کر اہل جنوں کو حسنِ خود بیں کا اسیر

عشق کی نا پختہ کاری پر ترس آیا بہت

ترکِ الفت پر بھی اس کو میری یاد آتی رہی

بے رخی میں بھی اسے میرا خیال آیا بہت

''عشق کی پُر خار وادی میں بچھا کر فرشِ گل''

شوقِ منزل نے سہانا خواب دکھلایا بہت

شرم آتی ہے مجھے اس بات کے اظہار سے

میں نے کم پایا محبت میں ، گنوایا ہے بہت

یہ غلط ہے : سیم و زر حاصل نہیں تو کچھ نہیں

ہے بشر کے واسطے دانش کا سرمایا بہت

ہوگیا وہ گیسوئے پُر پیچ سے بھی پُر شکن

گیسوئے قسمت کو وارث میں نے سلجھایا بہت

معارف کی ڈاک

(۱)

استفسار

معارف کی جلد ۷۴ کے پانچویں شمارہ کے شذرات میں ذکر ہے کہ ''نظامِ اسلامی کی ترتیب کا کام خاکہ کی منزل سے آگے پہنچ چکا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا مودودی، مولانا ماجد نے اپنے خیالات لکھ بھیجے ہیں''۔ اگر دارالمصنّفین میں مذکورہ ''خیالات'' محفوظ ہوں تو کیا ان کی دستیابی ممکن ہے؟

شائستہ بیدار

ڈائریکٹر، خدابخش لائبریری، پٹنہ
kboplibrary@gmail.com

معارف: صوبہ اترپردیش میں نواب صاحب چھتاری کے زیر صدارت اسلام کے سیاسی و اقتصادی نظام اور اصول کی ترتیب کے لیے ایک چھوٹی سی مجلس بنائی گئی تھی۔ اس کا پہلا اجلاس دارالعلوم ندوۃ العلما کے عباسیہ ہال میں جنوری ۱۹۴۱ میں ہوا تھا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولانا سید سلیمان ندوی اس کے رکن منتخب کیے گئے تھے اور یہ طے پایا تھا کہ مستند علما اور لائق جدید تعلیم یافتہ اہل علم کی باہمی معاونت سے پہلے اسلامی سیاست و اقتصاد پر ایک معتبر کتاب تالیف کی جائے۔ اس سلسلہ میں بعض تفصیلات مئی۔ جون اور نومبر ۱۹۴۱ء کے شذرات میں ملتی ہیں۔ نومبر کے شذرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اسحاق سندیلوی کی تصنیف اسلام کا سیاسی نظام اسی مجلس نظام اسلامی کی اسکیم کے تحت شائع ہوئی۔ لیکن خاص ڈاکٹر ذاکر حسین، مولانا مودودی اور مولانا ماجد کے ذاتی خیالات جو انہوں نے سید صاحب کو لکھ کر بھیجے تھے وہ کہاں محفوظ ہیں؟ اس کا پتہ نہیں لگ پایا۔ (کلیم صفات اصلاحی)

(۲)

کتابت کی غلطیاں

رات بارہ بجے گھڑی کی سوئیاں بدلتے اور یکم جون کا آغاز ہوتے ہی، معارف کے تازہ شمارے کا وارد ہونا بہت خوش کن ہے۔ کسی رسالے کا پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتے رہنا بجائے خود، اس کی اضافی خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو بارآور کرے۔

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی صاحب کا مضمون پڑھا۔ لیکن کتابت کی غلطیوں سے بھرپور اس مضمون نے

بدمزہ کیا۔ حتیٰ کہ جس شخص پر مضمون ہے اس کی نسبت مکانی کئی طرح سے لکھی گئی ہے۔ عنوان میں بنیانی اور متن میں نیبان (ص ۴۳۷ متن و حاشیہ) اور نیبیانی (ص ۴۳۸، ۴۳۹)۔ آذری کی کتاب جواہر الاسرار کا نام ایک ہی صفحے پر دوبار غلط چھپا ہے (ص ۴۳۹)۔ معلوم نہیں یہ غلطی بلکہ غلطیاں کس مرحلے میں ہوئیں۔ فارسی اشعار (ص ۴۳۵) بھی غلط سلط کتابت ہوئے ہیں۔ خراسان کو خرسان، چین کو حین، مرز و بوم کو مزو بوم لکھا ہے۔

قطع نظر اس سے کہ ڈاکٹر قاسمی کے مضمون میں مولانا محمد یعقوب کی نسبت بنیانی یا نیبانی چھپی ہے۔ ڈاکٹر ضیاالدین دیسائی مرحوم نے راقم الحروف کے نام اپنے متعدد خطوط میں اس کا املا بنبان (ب ن ب ا ن) لکھا ہے۔ انھیں اس کے محل وقوع کی تلاش تھی۔ ڈاکٹر قاسمی نے اپنے مضمون میں سید جعفر صدر [کذا: بدر] عالم کے جس حاشیہ جواہر الاسرار کا حوالہ دیا ہے، ڈاکٹر دیسائی نے اسی کے حوالے سے میرے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ یہ جگہ ملتان اور قندھار کے درمیان واقع تھی۔ ڈاکٹر دیسائی کے خطوط میری کتاب ارمغان ہندوستان مطبوعہ ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ دو فارسی کتابوں منتخب التواریخ اور حجت الاسلام کے مصنفین کے نام کے ساتھ بھی راقم نے نسبت بنبانی پڑھی ہے۔

آپ نے جون کے شمارے میں میرا ایک طویل خط بسلسلہ ثلاثہ غسالہ چھاپ کر ممنون کیا۔ آخر میں آپ کے تاکیدی نوٹ کا مزید شکریہ۔ دیکھیے مغربی بنگال اردو اکادمی کے ذمہ داران تک یہ بات پہنچتی ہے یا نہیں؟ اگر پہنچ بھی گئی تو معاملے کی نزاکت ان کی سمجھ میں آتی ہے یا نہیں؟

عارف نوشاہی

ادارۂ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد
naushahiarif@gmail.com

معارف: آپ نے ڈاکٹر شریف حسین قاسمی صاحب کے مضمون میں کتابت کی غلطیوں کی طرف نشاندہی کی ہے جس کے لئے شکریہ۔ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ڈاکٹر قاسمی صاحب نے یہ مضمون ہاتھ سے لکھ کر اس کی اسکین شدہ کاپی ارسال کی تھی جو ہمارے اسٹاف نے ٹائپ کی اور پروف ریڈر حضرات نے اس کی پروف ریڈنگ کی۔ چونکہ میں باہر سفر پر جا رہا تھا، اس لئے میں خود اس کو نہیں دیکھ سکا لیکن میں نے اسٹاف کو تاکید کردی تھی کہ پروف ریڈنگ کے بعد اس مضمون کو ڈاکٹر قاسمی صاحب کے پاس اس کو دیکھنے کے لئے ایمیل سے بھیج دیا جائے۔ غالباً ایسا نہیں ہوا۔ اگر اس مرحلے میں، میں ہندوستان میں موجود ہوتا تو یہ کام میں خود کرتا۔ یہ غلطی ناقابل معافی ہے۔ اگر مضمون نگار حضرات اپنے مضامین کو ٹائپ کرا کر اور ایک بار چک

کر کے بھیجیں تو غلطیوں کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے۔(مدیر)

(۳)

اسلامی تاریخ کی تدوین

الحمد اللہ ماہنا مہ ''معارف'' کا تازہ شمار (مئی ۲۰۲۲ء) باصرہ نواز ہوا، تمام مشتملات عمدہ اور معلومات افزا ہیں، خصوصاً محترم ڈاکٹر عارف نوشاہی کا گرانقدر مضمون بڑی محنت و ریاضت اور کافی سلیقہ مندی وشائستگی سے تحریر کیا گیا ہے۔اس مقتدر رسالہ کا دوسرا موقر مضمون محترم جاوید احمد ملک کے رشحات قلم کا مرہون منت ہے۔راقم الحروف (راہیؔ فدائی) کو اسی پر کچھ عرض کرنا ہے۔جناب جاوید ملک نے تاریخ اسلام کے مایہ ناز مؤرخ و محدث محمد بن اسحاق (ولادت ۸۵ھ وفات ۱۵۱ھ) کی حیات و خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔آپ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ محمد بن اسحاق سے پہلے حضرات عروہ بن زبیر، امام زہری اور متعدد تابعین نے سیر و مغازی میں کتابیں تحریر کی تھیں مگر باقاعدہ تصنیف کا شرف ابن اسحاقؔ ہی کو حاصل ہے (''معارف''، ص ۲۶۴-۲۶۳)۔

ششماہی ''الایام'' کراچی کی مدیرہ محترمہ نگار سجادؔ ظہیر صاحبہ اپنے اداریہ میں رقم طراز ہیں: ''سیرت نگاروں میں محمد بن اسحاقؔ (م ۱۵۰ھ) پہلا سیرت نگار مانا جاتا ہے اور سیرت نگاری، جو دراصل تاریخ ہی ہے، کی تصنیف وتالیف کو سو سال پیچھے ڈھکیل دیا جاتا ہے، دراں حالاں کہ ابن اسحاقؔ سے پہلے بھی کم از کم سترہ، اٹھارہ کتبِ مغازی لکھی جا چکی ہیں'' (الایام، ۲۴-جولائی-دسمبر ۲۰۲۱ء)۔ علاوہ ازیں محترمہ نگار صاحبہ نے راقم کے لئے ایک وائس میسج ارسال کرتے ہوئے یہ اطلاع دی کہ انھوں نے ابن اسحاقؔ سے پیشتر سیرت و مغازی پر روشنی ڈالنے والے قلم کارواں کا تفصیلی تذکرہ اپنے ویڈیو میں مقالات کے طور پر پیش کیا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کے باوجود اس بات کا برملا اعتراف اہل علم نے کیا ہے کہ ابن اسحاقؔ اولین شخص ہیں جنھوں نے منتشر و متفرق روایات کو ایک نئے نہج پر جمع کرتے ہوئے فن سیر و مغازی کو باقاعدہ قابل تقلید بنایا (ص ۳۷۱، معارف)۔ان سب امتیازات کے باوجود متقدمین ومتأخرین محدثین وفقہا نے انہیں مکمل قابل اعتبار اور پوری طرح ثقہ نہیں سمجھا۔ ان اکابر کی رائے ابن اسحاقؔ کے تعلق سے مختلف و متضاد رہی۔ مثلاً امام مالک نے کذّاب کہا، امام ابوداؤد نے قدری اور معتزلی کہا، امام نسائی نے فرمایا کہ ابن اسحاقؔ قوی نہیں ہے، محدث دار قطنی کہتے ہیں کہ ان کی روایت کردہ حدیث حجت نہیں ہے۔امام سلیمان اور ہشام بن

عروہ انہیں جھوٹا سمجھتے تھے۔ ابن اسحاقؒ کے شاگرد امامِ جرح وتعدیل یحیٰ بن سعید القطان اور امام سفیان بن عُیینہ کی رائے اپنے استاذِ محترم کے بارے میں صحیح نہیں تھی، وہ انہیں قابل اعتماد نہیں گردانتے تھے۔ علاوہ ازیں محدث ابوداؤد طیالسی، ابوعمرو شیبانی، ابن عدی، ابن ابی فُدیک وغیرہ محدثین نے بھی ابن اسحاقؒ پر شدید تنقید کرتے ہوئے ان کی روایتوں کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے (حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی، مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت، حصہ اول، الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ ناظم آباد کراچی، ۱۹۹۳ء ص ۹۳۔۹۴)۔ ابن اسحاقؒ کی تائید و توصیف کرنے والوں میں چند محدثین کے نام یہ ہیں: امام شافعی، امام بخاری، امام زہری، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابن المدینی، یزید بن ہارون، یحیٰ بن معین، عبد بن قائل، ابن سلیمان، امام احمد بن حنبل وغیرہ (معارف، ص: ۳۶۵)۔ امام اسماء الرجال حافظ شمس الدین ذہبی نے ابن اسحاق پر بحث کرتے ہوئے آخر میں اپنی یہ رائے دی ہے کہ وہ مغازی میں مرجع ہیں مگر حلال و حرام میں حجت نہیں ہیں (معارف ص ۳۶۷)۔

اس طویل تمہید کے بعد "معارف" کے اہل علم وفضل قلمکاروں اور معزز قارئین کی توجہات اس بات کی طرف مبذول کرانی ہے کہ مؤرخ موصوف محمد بن اسحاقؒ کی شخصیت جب متضاد و متنازع ثابت ہوئی ہے، تو ان سے سیرت و تاریخ کی روایات کو بغیر کسی جرح کے نقل کرنا، جیسا کہ حضرات بن ہشام، ابن سعد، بلاذری، طبری وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روا رکھا ہے، کہاں تک معقول و مدلل ہے، جبکہ ان روایتوں کی وجہ سے صحابہ کرام و تابعین عظام کی معتبر و مستند شخصیتیں مجروح ہو رہی ہیں۔ صحابہ کرام کی وہ جماعت جنہیں رب تعالیٰ نے اپنے فرمان "رضی اللہ عنہم ورضواعنہ" (مائدہ: ۵آیت: ۱۱۹، مجادلۃ: ۸۵، آیت: ۲۲) کے ذریعے اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی اور جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد وغیرہ مختلف مواقع پر جنت کی خوشخبری سے سرفراز فرمایا، کتب احادیث جن کے فضائل ومناقب سے منور ومزین ہیں، اور جنہیں "الصحابۃ کلہم عدول" کے اصول سے یاد کرنے کو محدثین کرام نے اپنی سعادت سمجھی، انہیں تاریخی واقعات کے حوالے سے متہم بالکذب قرار دینا، ان کے اخلاق و کردار پر سوالیہ نشان کھڑا کرنا اور ان کی عظمتِ صحابیت کو درخور اعتبار نہ سمجھنا، کہاں تک صحیح ہے۔ مثال کے طور پر تمام سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت سیدنا علی ابن طالبؓ اور حضرت سیدنا معاویہؓ ابن ابی سفیان کے درمیان حکم کے طور پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کا تقرر ہوا تھا۔ واقعے کی تفصیل سے قطع نظر، اجمالی بات یہ بتاتی ہے کہ بحث ومباحثے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ حضرت عمرو بن العاص

نے حضرت معاویہ کی طرفداری کرتے ہوئے فریق مخالف سے جھوٹ کہااور انہیں دھمکایا۔ یہ حقیقت ہے تو ایک جلیل القدر صحابی سے اسلام کے بنیادی اخلاق کو پامال کرنے کا عمل کیسے صادر ہوا؟ نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ وارفع تربیت کی ضیا صرف دو دہائیوں میں ماند پڑ گئی اور اگر یہ قصہ خلاف واقعہ ہے تو مصنفینِ تاریخ نے اس پر کلام کیوں نہیں کیا؟ بلکہ اساتذۂ کرام نے ہم طلبۃ العلوم کو سمجھاتے ہوئے ان معاملات کو مشاجراتِ صحابہؓ کا نام دیکر رفع کر دیا اور ہمیں "چشم بند و گوش بند و لب بہ بند" کہہ کر سکوت اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اسی طرح سنہ ۳۰ ہجری میں واقع شدہ "جنگ صفین"، جس میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل تھیں، جن میں صحابہؓ کرام وتابعین عظام بھی شریک تھے اور اپنی شمشیر زنی کے جوہر دکھا رہے تھے، کیا انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم "وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا" (سورۂ نساء، ۴ آیت: ۹۳) یاد نہیں رہا؟ کیا ہم یہ کہہ کر سکوت اختیار کرلیں کہ یہ اجتہادی غلطی تھی، اس لئے مذکورہ آیت کریمہ ان پر صادق نہیں آتی۔ یاد رہے کہ اس جنگ صفین میں بدری صحابی حضرت خُذیمہ ابن ثابت انصاری، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت اویس قرنی نے بھی جام شہادت نوش کیا تھا۔ یہی حال "جنگ جمل" کا بھی ہے جو سنہ ۳۶ھ میں رونما ہوئی جس میں، بقول بلاذری وطبری، مقتولین کی تعداد ۷۵ تھی۔ کتب تاریخ میں مذکور ایسے بہت سے واقعات پڑھنے کے دوران یہ سوال پردۂ ذہن پر ابھرتا ہے کہ ان حادثات کا وقوع مصدّق ہے یا مشتبہ، خصوصاً آج جبکہ غیر مسلم مستشرقین اپنی گرانقدر تصانیف میں کھلے دل سے بجا طور پر یہ اعتراف کرتے ہوں کہ سرور کائنات وفخر موجودات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام ہی کو نہیں بلکہ ساری انسانیت کو اعلیٰ تعلیم اور عمدہ ترین تربیت سے آگاہ فرمایا ہے، بالخصوص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے آپؐ کی تربیت سے آراستہ و پیراستہ ہو کر قیامت تک آنے والی انسانی نسلوں کی رہنمائی کے لئے تہذیب وتمدن، سیاست ومعاشرت اور اخلاق وانسانیت کے میدانوں میں اپنے نورانی نقوش ثبت کئے ہیں۔

آخر میں ماہرین تعلیم کی خدمات عالیہ میں یہ استفسار پیش کیا جا رہا ہے: آج جبکہ علم کے ہر شعبے میں تحقیق اور ریسرچ کا عمل جاری ہے، کیا تاریخ اسلام کے مشتملات پر از سر نو تحقیق کرائی جائے؟ کیا اس کارِ خیر سے علم کے باب کھلیں گے؟ یا معاملہ اس کے برعکس ہوگا؟ براہ کرم اس کا جواب "معارف" کے ذریعہ عنایت فرمائیں، تاکہ عام افادہ کی صورت نکل آئے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

ڈاکٹر راہی فدائی
9448166536

معارف: اسلامی تاریخ پر مختلف پہلوؤں سے تحقیق تایوم قیامت جاری رہے گی لیکن اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ ان مسائل کا، جو اسلامی تاریخ کی فوری تدوین نہ کرنے کی وجہ سے پیش آئے، کوئی ایسا حل نکل سکے گا جو سب کے لئے قابل قبول ہو۔ اسلامی تاریخ کی تدوین بہت بعد میں شروع ہوئی اور وہ بھی شروع میں مغازی کی تاریخ کی تدوین کے طور پر، پھر عمومی سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین کی شکل میں۔ یہ عمل زیادہ تر بنوامیہ کے دور میں ہوا جن کی شدت پسندی اور آل رسول اکرمؐ سے نفرت نے تاریخ نویسی پر جو نقوش چھوڑے ہیں وہ بعد میں اور گہرے ہوتے چلے گئے۔ بنو عباس کے زمانے میں اس کے برعکس کام شروع ہوا۔ اولاد و شیعان علی کرم اللہ وجہہ کی مخاصمت نے شیعہ حضرات کو مجبور کیا کہ وہ بھی اپنی تاریخ اور روایات کو اپنے ڈھنگ سے الگ مرتب کریں۔ اب کوئی ایسی مرکزی طاقت موجود نہیں ہے جو مسلمانوں کو تاریخ اسلامی اور حدیث نبوی کے تئیں ایک پلیٹ فارم پر کھڑا کر سکے۔ اب جو کام ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ذمہ دار مؤرخین مخاصمتی لٹریچر یا مواد سے صرف نظر کرتے ہوئے بہتر سے بہتر تدوین حقائق کریں جس سے امت جڑ سکے۔ اس سلسلے میں مؤرخین کو کتب حدیث میں مدون واقعات سیرت و تاریخ اوائل اسلام کو واقدی وغیرہ کے مدونات پر فوقیت دینی چاہئے کیونکہ مؤرخین مغازی و تاریخ نے استناد کے قوی معیاروں سے صرف نظر کیا جس کی وجہ سے ان کی تدوینات پر حرف گیری کی گئی (ڈاکٹر ظفر الاسلام خان)۔

(۴)

ملی مسائل

آپ کی طرف سے جس روز معارف ملا آپ کا مضمون اُسی دن پڑھ لیا اور کچھ لوگوں کو بھیج بھی دیا۔ آپ نے کئی اہم نقطوں کی طرف دھیان دلوایا ہے: ''مسلم نوجوانوں کو ایک روشن خیال۔۔۔۔۔۔۔۔ قائدین کا فریضہ ہے، مدرسوں میں عصری تعلیم کا ہونا، مسلم قیادت کو اپنی صفوں میں وسعت پیدا کرنا اور نوجوانوں کو اپنی تنظیموں میں جگہ دینا وغیرہ وغیرہ۔ بہت ہی بہترین مضمون ہے۔ کاش اس پر عمل کیا جا سکے۔

حمیدہ بانو چوپڑا۔ اورینڈا، کیلیفورنیا، امریکہ
hamida.banu@gmail.com

(۴)

حبیب الرحمن چغانی مرحوم

معارف (مئی ۲۰۲۲ء) میں محترم حبیب الرحمن چغانی مرحوم کی کتاب ''متاعِ فکر'' پر تبصرہ پڑھتے ہوئے

آخر میں اس جملہ ''افسوس ہے کہ چغتائی صاحب کا اسی سال فروری میں انتقال ہو گیا'' پر نظر پڑی تو یہ عاجز راقم یہ سوچ کر اس افسوس میں ڈوب گیا کہ اس کتاب پر ''معارف'' میں تبصرہ دیکھنے کی حسرت کے ساتھ وہ دنیا سے رخصت ہو گئے (ان کی صحیح تاریخِ وفات ''۳۱؍ جنوری ۲۰۲۲ء'' ہے)۔ اللہ رب العزت انہیں اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے اور ابدی آرام و سکون نصیب فرمائے۔ آمین۔ اس کی کچھ وضاحت یہ ہے کہ مارچ ۲۰۲۱ء کے معارف میں ''رسید کتبِ موصولہ'' کے تحت ''متاعِ فکر'' مندرج دیکھا اور محترم چغتائی صاحب کو اس کے بارے میں بتایا تو اظہارِ مسرت کے ساتھ مجھ سے یہ فرمائش بھی کی کہ جب اس پر تبصرہ نظر سے گزرے تو مجھے باخبر کریں گے۔ وقفہ وقفہ سے فون پر ان سے بات ہوتی رہتی، کبھی کبھار ملاقات بھی ہو جاتی، وہ اس کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ ادھر تقریباً کئی ماہ سے ان کی علالت کا سلسلہ چل رہا تھا، کبھی علی گڑھ میڈیکل کالج، کبھی دہلی کے کسی اسپتال میں زیرِ علاج رہے۔ خیریت معلوم کرتا رہتا یا کبھی طبیعت بہتر ہوتی تو وہ خود ہی فون کر کے اپنی کیفیت بتا دیتے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی کتاب پر جلد تبصرہ شائع ہو جائے اور وہ اسے دیکھ لیں، لیکن افسوس صد افسوس کہ ان کی یہ تمنا دل ہی میں رہ گئی اور وقتِ موعود آ گیا۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔

محترم حبیب الرحمن چغتائی صاحب کی کتاب پر تبصرہ کی اشاعت میں تاخیر کا ایک افسوس ناک پہلو یہ بھی ہے کہ معارف کے ''رسیدِ کتبِ موصولہ'' کالم میں مارچ ۲۰۲۱ء کے بعد کے شماروں میں مندرج متعدد کتابوں پر تبصرے تین، چار یا چھ ماہ، آٹھ ماہ یا دس ماہ بعد شائع ہو گئے اور زیرِ بحث کتاب پر تبصرہ مذکورہ کالم میں اندراج کے تقریباً ۱۴ (چودہ) ماہ بعد اشاعت پذیر ہوا۔ میرا اپنا یہ احساس ہے کہ کتبِ موصولہ پر تبصرہ کے لیے کوئی اصولی، مناسب ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تو ''رسیدِ کتبِ موصولہ'' کے کالم میں کتابوں کے اندراج اور ان پر تبصرہ کی اشاعت کی مدت کے فرق میں غیر متوازن اختلاف کی صورتِ حال نہ پیدا ہوتی۔ کتابیں موصول ہونے کے بعد ان پر تبصرہ کی مناسب ترتیب قایم کرنے کی جانب توجہ دلانے کے لئے اس ناچیز نے ۱۵؍ مارچ ۲۰۱۸ء کو ایک مراسلہ (کاپی منسلک) شعبۂ معارف کو بھیجا تھا، لیکن غالباً اسے ناقابلِ التفات سمجھا گیا، یہ مراسلہ معارف میں جگہ پانے سے بھی محروم رہا۔ اللہ رب العزت ہمیں ہر معاملہ میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

اسلام منزل، اقرا کالونی، علی گڑھ

zafarul.islam@gmail.com

دارالمصنفین کے لیل ونہار

دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کا سالانہ اجلاس

دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کا سالانہ اجلاس ۱۳؍ جون ۲۰۲۲ کی صبح بذریعہ انٹرنٹ (گوگل میٹ) منعقد ہوا۔ اس میں ممبران مجلس انتظامیہ پروفیسر خالد محمود، ڈاکٹر عبد اللہ، جناب شکیل احمد صبرحدی، ڈاکٹر فخر الاسلام اصلاحی، ڈاکٹر سلمان سلطان، ڈاکٹر جاوید احمد اور ناظم ڈاکٹر ظفر الاسلام خان نے شرکت کی۔ جناب حامد انصاری اور ڈاکٹر محمد اجمل اصلاحی نے شرکت سے معذوری کی اطلاع دی۔

نائب ناظم ڈاکٹر فخر الاسلام نے پچھلے سال کی سالانہ میٹنگ کی کارروائی اور اس پر عمل درآمد کی رپورٹ پیش کی اور رفقاء کی کارکردگی کی سالانہ رپورٹ کے ساتھ دارالمصنفین کے تنظیمی مسائل جیسے لائبریری، شعبۂ کمپیوٹر، رسالہ معارف، نئی مطبوعات کی تفصیلات اور پریس وغیرہ کے مسائل سے ممبران کو واقف کرایا۔ ناظم دارالمصنفین ڈاکٹر ظفر الاسلام خان نے ادارے کے مختلف امور کے بارے میں رپورٹ پیش کی جس میں نئے دستور کی منظوری، ممبران کی تعداد ۱۵ سے ۱۷ بڑھانے کی تجویز، بہت کم تنخواہ پانے والے اسٹاف کی تنخواہوں میں اضافہ، رفقاء کے کام کا جائزہ، رسالہ معارف میں کی جانے والی فنی تبدیلیاں، نشر و اشاعت کا پروگرام، دارالمصنفین کی سڑک سے متصل بیرونی چہار دیواری پر دکانوں کی تعمیر، اسٹاف کے رہائشی فلیٹس کی تعمیر، شبلی اکیڈمی کوچنگ سنٹر کی شروعات، پاکستان میں دارالمصنفین کی کتابوں کی غیر قانونی اشاعت اور مالیات کی فراہمی وغیرہ پر روشنی ڈالی۔ سابقہ اور حالیہ دونوں دستوروں کے مطابق دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کی تعداد میں مزید دو ممبران کا اضافہ منظور کر لیا گیا۔ جن دو نئے ممبران کے اضافے کی تجویز منظور ہوئی وہ انجینئر طارق اعظم (پھد گدیا، اعظم گڑھ) اور ڈاکٹر علاءالدین احمد (استاذ تاریخ، شبلی نیشنل کالج) ہیں۔ یہ بھی فیصلہ ہوا کہ ضرورت پڑنے پر انٹرنٹ کے ذریعے اور جلد جلد میٹنگیں منعقد کی جائیں۔

رسید کتب موصولہ

اردو صحافت اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء: معصوم مراد آبادی، مرزا بک ڈپو، نئی سڑک، مراد آباد، صفحات ۲۰۸۔ سال اشاعت ۲۰۲۱ء قیمت ۲۵۰ روپے۔

بزم رفتہ کے چراغ: مولانا محمد اسعد قاسمی، مکتبہ ندویہ لکھنؤ، صفحات ۲۹۰۔ سال اشاعت ۲۰۲۱ء۔ قیمت ۳۰۰ روپے۔

تذکرۂ اسلاف (تاریخ اور تحقیق): محمد نذیر فدا، مکان نمبر ۱۰ توحید آباد، بمنہ، سری نگر صفحات ۲۴۸ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت ۳۰۰ روپے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (عظیم اسلامی اسکالر): مولانا محمد ناصر سعید اکرمی، معہد الامام حسن البنا بھٹکل، صفحات ۷۲ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت ۷۰ روپے۔

سوئے حرم: مولانا محمد ناصر سعید اکرمی، مکتبہ الشباب العلمیہ، ندوہ روڈ، لکھنؤ۔ صفحات ۹۲۔ سال اشاعت ۲۰۲۱ء قیمت ۹۰ روپے۔

عُزلت: پروفیسر صالحہ رشید، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ۔ صفحات ۱۴۳۔ سال اشاعت ۲۰۲۱ء قیمت ۲۵۰ روپے۔

غم نہیں ہے: شاہجہاں شاد، شعری اکادمی بھوپال، صفحات ۱۳۲۔ سال اشاعت ۲۰۲۰ء قیمت ۳۰۰ روپے۔

غیر مسلموں کے ساتھ نبی ﷺ کا برتاؤ: ترجمہ: ابو حمود عبدالسمیع کلیم اللہ، علی احمد عبدالمجید، نزد پوروانچل بینک، لڈوامہواتراہا، بکھرا سنت کبیر نگر۔ صفحات ۱۸۴۔ سال اشاعت ۲۰۲۰ء قیمت: درج نہیں۔

مکتوبات شہباز مولانا محمد ناصر سعید اکرمی، معہد الامام حسن البنا بھٹکل، صفحات ۲۳۲۔ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت ۲۲۰ روپے۔

مکمل لغات القرآن (تلخیص): ترتیب مولانا محمد اویس قاسمی اعظمی، عظیم بک ڈپو، دیوبند۔ صفحات ۳۰۸۔ سال اشاعت ۲۰۲۲ء قیمت: ۳۰۰ روپے۔

فارم IV (رول نمبر ۸)

نام پریس	:	معارف پریس، اعظم گڑھ	نام پبلشر	:	ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی
مقام اشاعت	:	دار المصنفین اعظم گڑھ	قومیت	:	ہندوستانی
وقفۂ اشاعت	:	ماہانہ	پتہ	:	دار المصنفین اعظم گڑھ
نام پرنٹر	:	ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی	ایڈیٹر	:	ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
قومیت	:	ہندوستانی	قومیت	:	ہندوستانی
پتہ	:	دار المصنفین اعظم گڑھ	پتہ	:	دار المصنفین اعظم گڑھ

نام و پتہ مالک رسالہ: دار المصنّفین اعظم گڑھ میں ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

مضمون نگاروں کے لئے اعلان

۱۔ مضمون صرف ورڈ MS Word پروگرام میں، جمیل نوری نستعلیق فانٹ، پوائنٹ ۱۴ میں بذریعہ ای‌میل بھیجیں۔ ای‌میل کا پتہ: info@shibliacademy.org

۲۔ اگر مضمون مخطوطہ حالت میں دستی یا ڈاک سے بھیجا جارہا ہے تو براہ کرم کاغذ کے صرف ایک طرف اچھا حاشیہ چھوڑ کر لکھیں اور مضمون کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور محفوظ رکھیں۔

۳۔ ہر صفحے کے حوالہ جات اسی صفحے پر نیچے حاشیے پر نمبر وار لکھیں۔

۴۔ آسان اور عام فہم زبان استعمال کریں۔

۵۔ حوالے اس ترتیب سے ہوں: مصنف، کتاب کا نام، ناشر، جگہ، سال، جلد (اگر ایک سے زیادہ جلد ہو)، ایڈیشن (اگر طبع اول کے بعد کا ایڈیشن ہو)، صفحہ، صفحات۔

۶۔ مضمون A4 سائز کے ۲۰-۶ صفحات کے درمیان ہو اور ہر مضمون اپنی جگہ مکمل ہو۔

۷۔ معارف میں حتی الامکان سلسلہ وار مضامین نہیں شائع کئے جائیں گے۔

۸۔ معارف میں صرف غیر مطبوعہ مضامین و مقالات کو جگہ دی جائے گی۔ کہیں اور چھپنے کے لئے بھیجا گیا مضمون قابل قبول نہیں ہوگا۔

۹۔ نئے مضمون نگار اپنے مضامین کو معارف بھیجنے سے پہلے اپنے اساتذہ یا معتبر اہل علم کو دکھالیں۔

۱۰۔ نئے مضمون نگار اپنے مضمون کے ساتھ اپنی مختصر کوائف نیز پورا پتہ بشمول موبائل اور ای‌میل پتہ بھی بھیجیں۔

۱۱۔ ہر مقالے کے ساتھ یہ وضاحت ہو کہ یہ مقالہ پہلے کہیں نہیں چھپا ہے اور اسے چھپنے کے لئے کہیں اور نہیں بھیجا جارہا ہے۔

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول و دوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ (خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2800/-
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	350/-
الغزالی	300/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم (اول)	250/-
شعر العجم (دوم)	150/-
شعر العجم (سوم)	125/-
شعر العجم (چہارم)	200/-
شعر العجم (پنجم)	150/-
مکاتیب شبلی (اول)	150/-
مکاتیب شبلی (دوم)	190/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی (محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	350/-
خطبات شبلی	150/-

کتاب	قیمت
موازنہ انیس و دبیر	250/-
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	100/-
سفر نامہ روم و مصر و شام	200/-
کلیات شبلی (اردو)	220/-
کلیات فارسی (فارسی)	--
مقالات شبلی اول (مذہبی)	170/-
مقالات شبلی دوم (ادبی)	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	170/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	150/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی و اخباری)	150/-
الندوہ (۹ جلدیں)	4735/-
اسلام اور مستشرقین (چہارم)	250/-
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-
انتخابات شبلی (سید سلیمان ندوی)	200/-

ISSN 0974-7346 Ma'arif (Urdu) Print **JULY 2022** Vol. 209/7

RNI No. 13667/57 MA'ARIF AZM/NP-43/022

Monthly Journal of

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY

P.O. Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P., India

Tel. 06386324437 Email: info@shibliacademy.org